سات عُشاقِ قرآن کے

ایمان افروز واقعات

تالیف
حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید

عُشّاقِ قرآن

کے ایمان افروز واقعات

تالیف

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ

الناشر

المنهل

لاهور:
مکتبہ رحمانیہ
اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ اردو بازار
7221395,0343-9697395
042-37224228
ادارہ اسلامیات
190 انارکلی، لاہور
042-32722401

ملتان:
ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
0322-6180738 061-4540513
مکتبہ اشاعت الخیر، ملتان
061-4514929

پشاور:
ممتاز کتب خانہ قصہ خوانی بازار، پشاور
091 - 2580331
دارالاخلاص قصہ خوانی بازار، پشاور
091 - 2567539, 0300 - 5831992

راولپنڈی:
اسلامی کتب گھر CDA اسٹاپ، راولپنڈی
051-4830451
الخلیل پبلشنگ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
051-5553248

فیصل آباد:
اسلامی کتاب گھر، ستی ہیرٹ پلازہ اردو بازار، فیصل آباد
041 - 37223506, 041 - 37230718,
0343 - 2000921

حیدرآباد:
محمد احسن
0321 - 8727384

کوہاٹ:
مکتبہ حسین بن علی، ہنگو روڈ، کوہاٹ
0334 - 9299027

ادارۃ النور
دکان نمبر 2-3 بازار گلشن، بنوری ٹاؤن، گرومندر، کراچی
021-34914596, 0324-2855000
idaratunnoor@gmail.com

عشاقِ قرآن
کے ایمان افروز واقعات

اجمالی نظر

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنتساب

میں تجھے کیا نام دوں۔ میں بے مایہ تھا تو نے بامایہ بنادیا۔ میں ذلیل تھا تو نے مجھے عزیز کردیا، میں مضطرب تھا تو نے مجھے سکون عطا کردیا، میں گمنام تھا تو نے مجھے شہرت کے بام عروج تک پہنچادیا، میں جاہل تھا تو نے میرے سامنے علم کا چراغ جلادیا، میں لاشئی تھا تو نے مجھے شئی بنادیا، میں ناقابل تذکرہ تھا تو نے سب سے اونچی بارگاہ میں میرا تذکرہ کرادیا، میں غافل تھا تو نے مجھے عاقل کردیا، میں غرق دریا تھا تو نے مجھے آشنائے ساحل کردیا، میں فقیر تھا تو نے مجھے امیر بنادیا، میں سب سے امیدیں رکھتا تھا تو نے مجھے اللہ کے سواسب سے مایوس کردیا، میں انسانوں کے سامنے نظریں جھکائے رکھتا تھا تو نے میری نظروں کو اٹھادیا، میں سنگ دل تھا تو نے مجھے نرم دل بنادیا، میری آنکھیں خشک تھی تو نے انہیں روانی عطا کردی، مجھے سب نظر آتے تھے مگر تو نظر نہیں آتا تھا اور اب حال یہ ہے کہ مجھے تیرے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اِدھر بھی تو اُدھر بھی تو، قبر میں بھی تو حشر میں بھی تو، دنیا میں بھی تو آخرت میں بھی تو، جلوت میں بھی تو خلوت میں بھی تو، دل میں بھی تو زبان پر بھی تو، جان بھی تو جانِ جاناں بھی تو، یقین بھی تو ایمان بھی تو، منزل بھی تو، نشانِ منزل بھی تو۔

تیرا نام کلام اللہ کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ یہ چند سطریں کلام اللہ سے منسوب کرتے ہوئے خوشی سے دیوانہ ہو جاتا ہوں، اے دیوانگی سے دوچار کرنے والے! میری دیوانگی قبول فرمالے۔ آمین

محمد اسلم شیخوپوری

معروضاتِ چند

وجہِ تالیف:

قرآنِ کریم اللہ کا کلام اور رسالت مآب ﷺ کا بے مثال معجزہ ہے اس کی مثال لانے سے جن وانس عاجز ہیں۔ یہ واحد الہامی کتاب ہے جو ہر دور میں لاکھوں انسانوں کو زبانی یاد رہی ہے۔

قرآنِ کریم دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھے جانی والی کتاب ہے، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اس کی تلاوت نہ ہوتی ہو۔ اور دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں اس کی تشریح وتفسیر نہ ہو چکی ہو۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس کے معانی میں غور وتدبر سے معاصی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، برے اخلاق سے جان چھوٹ جاتی ہے، عقائد حقہ دل میں بیٹھ جاتے ہیں، اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کی توفیق مل جاتی ہے، باطنی دنیا انوارِ الٰہی سے جگمگا اٹھتی ہے۔

قرآنِ کریم کے سب سے بڑے عاشق صاحبِ قرآن حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے۔ ان کے شب وروز کا بہت بڑا حصہ قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس میں غور وفکر کے لیے مختص تھا۔ ان کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ ان کی زبانوں سے لے کر ان کی سوچوں تک، اور ان کی سوچوں سے لے کر ان کے اعمال تک، اور اعمال سے لے کر گھروں، دکانوں، میدانوں، اور حکومتی ایوانوں تک ہر جگہ قرآن ہی قرآن تھا۔ وہ صرف قاریانِ قرآن ہی نہ تھے بلکہ حاملانِ قرآن اور عاملانِ قرآن بھی تھے۔ ان کی زندگیاں

قرآن کریم کی چلتی پھرتی تفسیریں تھیں، نومسلم ان کی زبانوں سے قرآن کے الفاظ سنتے تھے اوران کے کردار وعمل کو دیکھ کر قرآن مجید کے معانی اور مطالب سمجھتے تھے۔

آج ایسے لوگ کم دکھائی دیتے ہیں جن کے اخلاق اور شب وروز کو دیکھ کر قرآن کے اوامر ونواہی یاد آتے ہوں۔ خوش الحانی سے قرآن پڑھنے والے بہت ہیں لیکن ان کی تلاوت حلق سے نیچے نہیں اترتی۔ جب کوئی آیت سینے سے نہیں نکلے گی تو دوسرے سینوں میں وہ کیسے اترے گی۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے لوگ محافل قرأت میں قرآن سنتے ہیں، وجد میں بھی آتے ہیں، سبحان اللہ، ماشاءاللہ کی آوازیں بھی بلند کرتے ہیں لیکن ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، تبدیلی آئے بھی تو کیسے؟ وہ تلاوت تبدیلی لانے کے لیے کی ہی نہیں گئی تھی۔ اس کا مقصد داد وتحسین کا حصول تھا اور وہ حاصل ہوگئی۔

مسلمان قرآن سے بہت دور چلا گیا ہے شاید اسی لیے اللہ کی رحمت بھی اس سے بہت دور چلی گئی ہے، اس نے قرآن سے کیا منہ موڑا عزت، حکومت، خوشحالی، امن وسکون، تحفظ، محبت اور رحمت ہر چیز نے اس سے منہ موڑ لیا ہے، ان چیزوں کے حصول کے لیے وہ غیروں کی نقالی میں مصروف ہے۔ ان کی بہت سی غلاظتوں کو یہ اپنے سینے سے لگا چکا ہے اور باقی کو لگانے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ لیکن کعبہ کے رب کی قسم! قرآن سے تعلق استوار کیے بغیر اسے اس کی گمشدہ نعمتیں حاصل نہیں ہوسکتیں۔

یوں تو قرآنِ کریم سے کسی بھی نوع کا تعلق فائدہ سے خالی نہیں لیکن رب کریم نے جو برکات اور ثمرات ایمانی عقیدت ومحبت اور معانی میں غور وتدبر کے ساتھ اس کی تلاوت میں رکھے ہیں وہ کسی دوسری چیز میں نہیں لیکن یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ آج کل عوام تو عوام خواص بھی کما حقہ قرآن کی تلاوت نہیں کرتے۔

کلام اللہ کے معانی میں غور وفکر کو تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ بالکل ایک زائد چیز سمجھ

لیا گیا ہے۔جس کی ضرورت صرف اسی وقت محسوس کی جاتی ہے جب تدریس وتبلیغ یا کسی مضمون کی تحریر پیشِ نظر ہو،لیکن فہمِ معانی کے بغیر خالی الفاظ کی تلاوت بھی جتنی ہمارے اسلاف کرتے تھے اس کا عشرِ عشیر بھی ہم نہیں کرتے۔اوروں کو تو چھوڑ یئے حفاظ کرام بھی رمضان المبارک کے علاوہ قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگاتے جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اکثر حفاظ کو قرآن کریم پختگی کے ساتھ یاد نہیں۔ جہاں تک حافظات کا تعلق ہے تو ان کا حال تو اور بھی ابتر ہے۔مجھ ناچیز کا جو ناقص سا تجربہ ہے وہ یہ ہے کہ سو میں سے نوے حافظات کو قرآن کریم پختہ یاد نہیں ہے،بس حصول سعادت کے لئے دھڑا دھڑ بچیاں حفظ کر رہی ہیں۔لیکن فراغت کے دو چار سال بعد ان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ ایک ایک پارہ میں بیس بیس اور تیس تیس غلطیاں آتی ہیں اور بعض کا حال تو اس سے بھی برا ہوتا ہے،نہ معلوم مدارس کے ذمہ دار حضرات اس پہلو پر کب توجہ دیں گے اور کمیت سے زیادہ کیفیت اور مقدار سے زیادہ معیار کو ترجیح دیں گے۔

اس کمزوری کی ایک وجہ تو زمانہ حفظ کی عجلت اور غفلت ہے اور دوسری بڑی وجہ تسلسل کے ساتھ تلاوت کا نہ کرنا ہے۔

یہ ناچیز ایک عرصہ سے اس فکر میں تھا کہ کوئی ایسی کتاب تحریر کی جائے جسے پڑھ کر دل متاثر ہوں اور قارئین کے دل میں تلاوتِ قرآن اور تدبرِ قرآن کا جذبہ اور ولولہ پیدا ہو اور ان کا قرآن سے ٹوٹا ہوا رشتہ بحال ہو جائے۔

اسی اثناء میں، میں نے ”ماہنامہ الاشرف“ (جس کا میں مدیر تھا) کا قرآن نمبر شائع کیا،اس خاص نمبر میں مفتی محمد ابراہیم صاحب اور اس ناچیز نے حضور اکرم ﷺ سے لے کر زمانہ قریب کے بزرگوں تک کے ایسے واقعات جمع کئے جو ان کے عشق قرآن اور تاثر بالقرآن سے تعلق رکھتے تھے، ان واقعات نے مجھ خطا کار کے دل

و دماغ کو بے حد متاثر کیا اور میرا اشتغال بالقرآن پہلے سے فزوں تر ہو گیا، تلاوت کی مقدار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اب ایسا بھی ہونے لگا کہ دورانِ تلاوت آنکھیں نمناک ہو جاتیں اور باطن کی بنجر زمین میں روئیدگی سی محسوس ہوتی، میں نے سوچا اگر ان واقعات میں مزید اضافہ کر کے انہیں کتابی شکل دے دی جائے تو ممکن ہے دوسروں پر اس سے بھی اچھے اثرات مرتب ہوں جتنے مجھ سیاہ کار پر مرتب ہوئے ہیں چنانچہ میں نے ''الاشرف'' میں شائع شدہ مضامین کو بنیاد بنا کر دوسری کتابوں کے مطالعہ سے مزید واقعات کا اضافہ کر دیا، اس سلسلہ میں ''تذکرہ قاریانِ ہند'' سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا۔ چونکہ صورت ایسی رہی کہ کتابوں کی ورق گردانی سے جو واقعات ملتے گئے میں انہیں درج کرتا چلا گیا اس لئے قارئین کو کہیں کہیں یوں محسوس ہوگا کہ زمانی ترتیب کا زیادہ لحاظ نہیں رکھا جا سکا یعنی ایسا ممکن ہے کہ بارہویں صدی ہجری کے کسی بزرگ کا واقعہ پہلے آ گیا ہو اور گیارہویں صدی ہجری کے کسی بزرگ کا واقعہ بعد میں درج ہوا ہو لیکن چونکہ یہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی بزرگانِ دین کے سوانح بیان کرنا اس کا مقصد ہے بلکہ اصل مقصد تو عبرت و نصیحت کا حصول ہے اس لیے زمانی ترتیب کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔

جن کتابوں سے یہ واقعات لیے گئے ہیں ان کی زبان کہیں کہیں مغلق تھی اور بعض کے اسلوب میں طوالت تھی اس لیے اصل مقصود کو برقرار رکھتے ہوئے مغلق الفاظ کے بجائے آسان الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور طوالت کو اختصار میں بدل دیا گیا ہے۔

ایک کام اس ناچیز نے یہ بھی کیا ہے کہ بعض واقعات کے آخر میں ''فائدہ'' کے عنوان سے اس واقعہ سے حاصل شدہ سبق اور نصیحت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے چند باتیں اپنی طرف سے لکھ دی ہیں۔ ہے تو یہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے والی بات

لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے وہ جذبہ خیر خواہی سے لکھا گیا ہے اور امید ہے کہ اسی نظر سے اس کا مطالعہ بھی کیا جائے گا۔

ان فوائد کے لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم عصر قراء، حفاظ اور مدرسین میں جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں ان کی اصلاح کی طرف انہیں متوجہ کیا جائے اور اکابر کے یہ پاکیزہ واقعات محض دماغی عیاشی کا کام نہ دیں بلکہ یہ واقعات ہمیں اپنے اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کردیں۔

اسی جذبے کے ساتھ واقعات کے علاوہ بعض بزرگوں کے اقوال وارشادات بھی نقل کیے گئے ہیں۔

محترم قارئین! تلاوت کے فضائل وآداب پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، لیکن اس کتاب کو جامع بنانے کے لیے واقعات کا حصہ شروع کرنے سے پہلے چار عناوین کے تحت چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں یعنی فضائلِ تلاوت، آدابِ تلاوت، ثمراتِ تلاوت اور قرآنِ کریم کی خصوصیات۔

فضائلِ تلاوت:

قرآنِ کریم کی تلاوت نبی کریم ﷺ کے فرائض میں سے ایک فریضہ تھا۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ﴾

(سورۃ النمل: ۹۱،۹۲)

تَرْجَمَة: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوجاؤں اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کروں۔“

وہ لوگ جو ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں خسارہ اور نقصان کا ذرہ برابر امکان

نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بتائی ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝﴾

(سورۃ الفاطر)

تَرجَمَة: ”جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند نہیں پڑے گی۔“

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآنِ کریم (کی تلاوت اور غور وفکر یا تعلیم وتدریس) میں اس قدر مشغول ہو کہ اسے ذکر و دعا کی فرصت نہ ملے تو میں اسے سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے سارے کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود اللہ تعالیٰ کو ساری مخلوق پر فضلیت حاصل ہے۔“ (ترمذی)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔“ (فضائل القرآن، باب ماجاء فی تعلیم القرآن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن سیکھو پھر اسے پڑھتے رہو اس لئے کہ جو شخص قرآن سیکھنے کے بعد اسے پڑھتا رہے اور اس کی نگہداشت کرتا رہے اس کی مثال مشک سے بھری ہوئی اس تھیلی کی سی ہے جس کی خوشبو ہر جگہ پھیلتی ہے اور جو شخص قرآن

سیکھنے کے بعد (اس سے غافل ہو جائے اور) سو جائے اس کی مثال مشک کی اس تھیلی کی سی ہے جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔ (ابن ماجہ: باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ)

عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قرآن والو! قرآن سے تکیہ نہ لگاؤ اور شب و روز اس کی ویسے تلاوت کرو جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے، قرآن کی اشاعت کرو، اسے اچھی آواز سے پڑھو، اس کے معانی میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ اور اس کا صلہ (دنیا ہی میں) طلب نہ کرو کیونکہ اس کا آخرت میں عظیم الشان صلہ ملے گا۔ (اور اعمال کا صلہ ملنے کی اصل جگہ تو آخرت ہی ہے) (بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن پڑھنے والا قیامت کے دن آئے گا تو قرآن (بارگاہِ الٰہی میں) درخواست کرے گا یا رب! اسے (عزت و عظمت کا) جوڑا پہنا دیجیے تو اسے عزت کا تاج پہنا دیا جائے گا، پھر صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور (جنت کے درجات) پر چڑھتے جاؤ اور ہر آیت کے بدلے ایک ایک نیکی بڑھتی جائے گی۔

فائدہ: وہ کون سا مسلمان ہے جس کے دل میں یہ حدیث پڑھنے کے بعد یہ آرزو پیدا نہیں ہوگی کہ اے کاش! قیامت کے دن قرآن میرے حق میں بھی سفارشی بن جائے اور قرآن کے سفارشی بننے کی صورت یہی ہے کہ قرآنِ کریم کے حقوق: تلاوت، فہم و تدبر، عمل اور اشاعت ادا کیے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صرف دو آدمی (ہی حقیقت میں) قابل رشک ہیں: ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی نعمت عطا فرمائی پس وہ رات دن

اس میں مصروف رہتا ہے اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ رات دن (اللہ کی رضا کے لئے) اس میں سے خرچ کرتا ہے۔

(صحیح البخاری:2/751)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس مومن کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے نارنگی کی سی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی اور مزہ بھی عمدہ ہے اور اس مومن کی مثال جو قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا چھوہارے جیسی ہے جس میں خوشبو تو بالکل نہیں مگر اس کا مزہ شیریں ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا حنظل یعنی اندرائن (جو کہ انتہائی بدمزہ اور کڑوا ہوتا ہے) جیسی ہے کہ اس میں خوشبو بھی نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی تلخ ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحانہ یعنی تلسی کی مانند ہے کہ اس کی خوشبو اگرچہ اچھی ہوتی ہے مگر مزہ نہایت کڑوا ہوتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تلاوت کے اعتبار سے انسانوں کے چار درجے قائم فرمائے ہیں: پہلا درجہ اس باعمل مومن کا ہے جو کلام اللہ کی عظمت وصداقت پر ایمان بھی رکھتا ہے اور زبان سے اس کی تلاوت بھی کرتا ہے گویا اس کا ظاہر بھی خوبصورت اور باطن بھی خوبصورت، اس کی مثال نارنگی کی سی ہے جس کا ظاہر بھی اچھا ہوتا ہے اور باطن بھی اچھا ہوتا ہے، ظاہر کے اعتبار سے وہ خوش رنگ اور خوشبودار ہوتا ہے اور باطن کے اعتبار سے خوش ذائقہ ہی نہیں بلکہ بہت سے طبی فوائد کا حامل بھی ہوتا ہے۔

دوسرا درجہ اس مومن کا ہے جو کلام اللہ کی حقانیت پر ایمان رکھتا ہے، عمل بھی کرتا ہے مگر اس کی تلاوت نہیں کرتا اس مومن کو اللہ کے رسول نے چھوہارے سے تشبیہ دی ہے جس کا مزہ تو شیریں ہوتا ہے مگر اس میں خوشبو نہیں ہوتی۔

قرآن کریم ایک اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے اس خوشبو کو عام کرنے کی ضرورت ہے

جب یہ خوشبو عام ہوگی تو انسانوں کو کفر و شرک، ظلم و جبر، معاصی اور ذنوب کی سڑاند سے نجات نصیب ہوگی لہٰذا مسلمان کو بخل سے کام لیتے ہوئے بے مثال خوشبو کے اس ڈبے کو بند نہیں رکھنا چاہیے بلکہ ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر ملک میں اس خوشبو کو عام کرنے کی ضرورت ہے، یہ خوشبو صرف تلاوت ہی سے عام ہو سکتی ہے اس لئے کہ ہر عمل کے کچھ مخصوص اثرات اور ثمرات ہوتے ہیں جو کہ صرف اسی عمل سے حاصل ہو سکتے ہیں، نماز کے فوائد نماز ہی سے اور زکوٰۃ کے فوائد زکوٰۃ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یونہی قرآن کی خوشبو کو عام کرنے کے لیے فہم و تدبر کے ساتھ اس کی تلاوت کی ضرورت ہے۔

تیسرا درجہ اس فاسق و فاجر اور منافق کا ہے جسے قرآن یاد ہے، اس کی قراءتوں اور روایتوں پر بھی اس کی نظر ہے، پڑھتا بھی خوب ہے مگر تلاوت اس کے گلے اور حلق سے نیچے نہیں اترتی، اس کے اخلاق بدبودار اور اس کے اعمال غلیظ ترین ہوتے ہیں۔ اس کی مثال رسول ﷺ نے ریحانہ سے دی ہے جس کی خوشبو نہایت عمدہ اور پرکشش ہوتی ہے لیکن چکھو تو ایسی کڑواہٹ کہ زبان سکڑ کر رہ جائے، اسی طرح یہ شخص بھی جب قرآن پڑھتا ہے تو لوگ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، کئی انجان اس پر جان چھڑکتے ہیں لیکن جب اس کی خلوت اور معاشرت میں جھانکنے کا موقع ملے تو اس کی گندگی چیخ چیخ کر اس کے دشمن قرآن ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ ایسا شخص قرآن اور اصحاب قرآن کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

چوتھا درجہ اس منافق اور فاسق کا ہے جس کا قرآن سے علم و عمل اور حفظ و تلاوت کسی بھی اعتبار سے کچھ تعلق نہیں اس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے حنظل سے تشبیہ دی ہے جس میں نہ خوشبو ہوتی ہے اور نہ ہی مزہ اچھا ہوتا ہے، یہی حال اس منافق کا سا ہے جس کے اندر کسی بھی بھلائی کی خوشبو نہیں وہ غلاظت اور بدبو کا چلتا پھرتا اشتہار ہے اس

لئے کہ خوشبو تو قرآن میں ہے......قرآن کے الفاظ میں، اس کے معانی میں، اس پر عمل کرنے میں......اور جو قرآن سے محروم ہے وہ ہر خوشبو اور پاکیزگی سے محروم ہے۔

دل میں یہ بات اچھی طرح بٹھا لیجئے کہ تورات اور انجیل کی بھی انہی باتوں میں خوشبو ہے جو قرآن کے موافق ہیں اور دنیا بھر میں اخلاقیات، نفسیات اور اصلاحیات کے موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں وہی باتیں انسان کے فائدے اور بھلائی کی ہیں جو قرآن سے ماخوذ ہیں اور دنیا میں جن لوگوں کو روحانی اور دینی ترقی نصیب ہوئی تو قرآن پر عمل کی وجہ سے اور جن لوگوں کو دنیاوی ترقی نصیب ہوئی تو قرآنِ کریم کے ان اصولوں کو اپنانے کی وجہ سے نصیب ہوئی جو اصول اس نے دنیاوی ترقی کے لیے بیان کیے ہیں مثلاً: امانت، دیانت، سچائی، ایفاءِ عہد، استقامت، محنت اور ایثار و محبت وغیرہ۔

ناچیز مؤلف کی جذباتی کیفیت کی وجہ سے بات قدرے پھیل گئی ہے۔ اصل چیز جس کی اہمیت دل میں بٹھانا مقصود ہے وہ یہ کہ قرآنِ کریم کی تلاوت بے پناہ دنیاوی اور اخروی فضائل اور فوائد کی حامل ہے لہٰذا ہمیں اس کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے اور کتاب و سنت میں بیان کردہ فضائل اور فوائد ہمیں تبھی حاصل ہو سکتے ہیں جب ہم تلاوت کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے تلاوت کریں۔

تو آیئے چند آدابِ تلاوت بھی ذہن نشیں کر لیں۔

آدابِ تلاوت:

1. ناچیز کی نظر میں تلاوت کا پہلا اور بنیادی ادب کلام اللہ کی عظمت کا استحضار ہے ......تلاوت سے قبل یہ سوچ لیا جائے کہ یہ میرے خالق و مالک اور جہانوں کے بادشاہوں کا کلام ہے، یہ وہ کلام ہے جسے اگر پہاڑوں پر اتارا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے، اس کلام کو بادشاہوں کے بادشاہ نے فرشتوں کے سردار کے

ذریعے انبیاء کے سردار علیہ السلام کے قلبِ مبارک پر نازل فرمایا.....اور یہی وہ ادب ہے جسے سب سے زیادہ نظر انداز کیا جارہا ہے۔ خدارا سینے پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ وہ شخص جولاپرواہی سے تیزی سے قرآن پڑھتا چلا جاتا ہے یا جسے محض اپنی آواز کا جادو جگانا مقصود ہے یا چند لقموں کی خاطر قرآن خوانیاں کرتا پھرتا ہے کیا واقعی اس کے دل میں کلام اللہ کی عظمت پائی جاتی ہے!!

2 تلاوت کیا ہر عبادت کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط اخلاص ہے یعنی تلاوت سے اصل مقصد یہ ہو کہ اللہ پاک کی رضا مجھے حاصل ہو جائے۔ اخلاص کا دل میں نہ ہونا شقاوت اور بدبختی کی علامت ہے۔ ''رسالہ قشیریہ'' میں ہے کہ ابوعثمان حیری رحمہ اللہ نے محمد بن فضل رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ شقاوت کی علامت کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: تین چیزیں ہیں:

''يُرْزَقُ الْعِلْمُ وَيُحْرَمُ الْعَمَلُ وَيُرْزَقُ الْعَمَلُ وَيُحْرَمُ الْاِخْلَاصُ وَيُرْزَقُ صُحْبَةُ الصَّالِحِيْنَ وَلَا يَحْتَرِمُ لَهُمْ.''

ایک یہ کہ کسی کو علم دیا جائے اور عمل سے محروم کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ عمل کی توفیق دی جائے مگر اخلاص سے محروم رکھا جائے اور تیسرے یہ کہ صالحین کی صحبت میسّر ہو مگر ان حضرات کا دل سے احترام نہ کیا جائے۔ (تلاوتِ قرآن مولانا شاہ وصی اللہ رحمہ اللہ)

3 اس یقین کے ساتھ تلاوت کی جائے کہ ہدایت، نصیحت، ایمان، یقین اور نور سب کچھ اسی سے حاصل ہو سکتا ہے اور قرآن سے ہدایت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اسے ٹھہر ٹھہر کر اور غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کی جائے۔

4 تلاوت سے قبل وضو کر لیا جائے، کپڑے بھی صاف ستھرے پہنے جائیں اور جگہ بھی پاک صاف منتخب کی جائے۔

5 تلاوت کرتے وقت باادب ہوکر بیٹھیں، اور انتہائی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ تلاوت کریں۔ یہ صرف مستحب ہے ورنہ اگر کوئی چلتے پھرتے بے وضو تلاوت کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

6 تلاوت سے قبل منہ کو مسواک یا منجن وغیرہ سے صاف کرلیا جائے۔

7 تلاوت سے قبل تعوذ یعنی: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھ لیں۔

8 ترتیل و تجوید کے قواعد کا خیال رکھتے ہوئے تلاوت کی جائے۔ سورۂ مزمل میں ہے:

﴿وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿٤﴾﴾ (سورة المزمل)

تَرجَمَة: ''قرآن کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کیا کریں۔''

نبی کریم ﷺ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیا کرتے تھے، فرفر تلاوت کرنا آپ ﷺ کی عادت ہرگز نہ تھی۔

مذکور بالا آیت اور دوسرے نصوص کی بناء پر اہل علم کہتے ہیں کہ تجوید کی رعایت ضروری ہے اور تجوید کی رعایت نہ رکھنے والا گنہگار ہے۔

9 دورانِ تلاوت معانی پر غور و فکر کریں کیونکہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد یہی ہے۔ سورۂ ص میں ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ﴾ (سورة ص)

تَرجَمَة: ''ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لیے نازل کی ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں۔''

امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء العلوم'' میں قرأت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں: پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو محض زبان سے تلاوت کرتے ہیں مگر ان کے

دل غافل ہوتے ہیں، ان کی تلاوت نا قابل اعتبار ہے۔ مومن کی شان سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ ایسی قرأت کرے جس کا دل پر کوئی اثر نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو زبان سے قرأت قرآن کرتے ہیں اور ان کا دل حاضر رہتا ہے، انہیں شریعت کی اصطلاح میں ﴿اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ﴾ کہا جاتا ہے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا دل پہلے متاثر ہوتا اور معانی کی طرف سبقت کرتا ہے پھر زبان دل کی ترجمانی کرتے ہوئے قرأت کرتی ہے۔ یہ مقربین کا مقام ہے۔

10 تلاوت کرتے ہوئے حسب موقع آواز بلند بھی کی جاسکتی ہے اور پست بھی کی جاسکتی ہے۔ بلا ضرورت گلا پھاڑ پھاڑ کر پڑھنا ہرگز مناسب نہیں خاص طور پر جبکہ ہمارے بلند آواز سے پڑھنے سے کسی کی نماز میں خلل آتا ہو یا بیماروں وغیرہ کو تکلیف ہوتی ہو، عام حالات میں انفرادی تلاوت میں درمیانی آواز سے پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

11 ظاہری طہارت کے ساتھ باطنی طہارت کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”کوئی صوفی قرآن کے برکات حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کا نفس، رذائل اور گندگیوں سے پاک ہوکر فنا نہ ہو جائے۔ نفس کے فناء سے پہلے بھی قرآن کریم کی قرأت نیک بندوں کے اعمال میں سے ہے مگر نفس کے اثرات اور رذائل دور ہوجانے کے بعد تو قرب الی اللہ کے سارے مراتب تلاوتِ قرآن ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ (اور ان مراتب کا دروازہ کھل جاتا ہے) (تفسیر مظہری:9/183)

12 اگر وقت اور سہولت ہو تو مصحف کو دیکھ کر تلاوت کیا کریں کیونکہ اس میں استحضار، یکسوئی اور غور وتدبر کا موقع زیادہ ہوتا ہے، یوں بھی ایسا کرنے سے دوہرا اجر

حاصل ہوتا ہے: تلاوت کرنے کا اجر الگ اور مصحف کو چھونے اور دیکھنے کا اجر الگ ملتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تشریف لاتے تو قرآن مجید کھول کر اس میں تلاوت کرتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ کا قرآن مجید کثرت تلاوت کے سبب بوسیدہ ہو کر پھٹ چکا تھا۔

یہ بات تو صرف ادب اور استحباب کی ہے ورنہ چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے بھی تلاوت کی جاسکتی ہے۔

13. قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اس کی تعلیمات کے آئینہ میں اپنی شکل دیکھنے کی بھی کوشش کیجیے اور اگر یہ آئینہ آپ کو جھوٹ، خیانت، بخل، بزدلی، حبِ دنیا، تکبر، حرص وہوس، فحاشی و بدکاری اور جور و جفا جیسے داغ دھبے دکھائے تو خود اسی آئینہ سے ان کا علاج دریافت کر کے انہیں دور کرنے کی کوشش کیجیے کیونکہ قرآنِ کریم دنیا کا سب سے سچا آئینہ بھی ہے اور بے مثال حکیم اور طبیب بھی..... خدارا اس آئینہ پر اپنی غفلت اور جہالت کا پردہ ڈالنے کی کوشش ہرگز نہ کیجیے۔

14. کوشش کیجیے کہ قرآن کریم خوبصورت آواز میں پڑھا جائے، ابن حبان کی روایت ہے:

''زینوا القرآن باصواتکم.''

تَرجَمَة: ''اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرو۔''

یعنی اس انداز سے قرآن پڑھا جائے کہ سننے والوں کو اچھا لگے اور ان کے دل متاثر ہوں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ''قرآن کریم کو اچھی آواز سے پڑھنے والا وہ ہے کہ جب اسے پڑھتے ہوئے سنو تو یہ سمجھو کہ اس پر اللہ کا خوف طاری ہے۔''

اچھی آواز سے پڑھنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بہت تکلف کیا جائے جب کہ دل میں نہ عظمت کا احساس ہو اور نہ اس کی تعلیمات کا کوئی اثر ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض منافق قرآن کریم بہت زیادہ پڑھتے ہیں کسی الف یا واؤ کو نہیں چھوڑتے، زبان کو منہ میں ایسے پھراتے ہیں جیسے گائے اپنے منہ میں زبان گھماتی ہے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔

15 تلاوت کے دوران مختلف مضامین کے اعتبار سے مختلف اثر لینے کی کوشش کیجیے، جنت اور بشارت کی آیات پر چہرے پر خوشی کے اثرات ہوں اور جہنم اور عذاب و وعید کی آیات پر آنکھوں سے آنسو بہہ پڑیں یا کم از کم غم کی کیفیت تو ضرور ہی طاری ہو جائے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

''جب اہلِ ایمان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر کر روتے اور عاجزی ظاہر کرتے ہیں۔''

16 عربی زبان بڑی نازک زبان ہے اور قرآن میں اس کی نزاکت اور بھی بڑھ جاتی ہے لہٰذا تلاوت کے دوران صرف زبر، زیر اور غنہ مد ہی نہیں علاماتِ وقوف کی بھی خوب رعایت کریں۔ کیونکہ اگر کوئی عمداً وقوف کی رعایت نہ کرے تو اس کی تلاوت ثواب کے بجائے عذاب کا ذریعہ بن سکتی ہے اور ایسا شخص ایمان سے کفر کے درجہ تک بھی پہنچ سکتا ہے جیسے آیت کریمہ:

﴿فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۵۸﴾

(سورۃ البقرۃ)

میں اگر کوئی "واللہ" پر جان بوجھ کر وقف کرے تو اس کے کفر میں شبہ ہی کیا باقی رہ جاتا ہے۔

17 تلاوت ایک ایسی عبادت ہے جو دن اور رات کے اوقات میں سے کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے لیکن نمازوں میں اور بالخصوص تہجد کی نماز میں اس کی تلاوت زیادہ موجبِ اجروثواب ہے۔

18 ختمِ قرآن کے سلسلہ میں اسلاف کے معمولات مختلف ہیں: بعض ایک دن میں، بعض تین دن میں اور بعض ایک دن میں کئی بار ختم کر لیتے تھے لیکن بہتر یہ ہے کہ سات روز میں قرآن ختم کیا جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہر ساتویں روز ختم کرنے کو فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عثمان، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کا معمول ہر جمعہ کو ختم کرنے کا تھا، یہ حضرات ہر روز ایک منزل پڑھ لیتے تھے یوں سات دنوں میں قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ (احیاء العلوم: 1/ 16)

19 بہتر یہ ہے کہ نماز میں قرآن ختم کیا جائے اور اس دن روزہ بھی رکھ لیا جائے تو بہتر ہے۔ ختم کرنے کے ساتھ سورۂ بقرۃ شروع کر کے ﴿ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ﴾ تک پڑھنا مستحب ہے۔

20 ختمِ قرآن کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دوسروں کو بھی بلا کر اجتماعی دعا کی جائے کیونکہ قبولیتِ دعا کے اوقات میں سے ایک وقت ختمِ قرآن کا بھی ہے۔

مسند دارمی میں حضرت حمید الاعرج سے روایت ہے:

"مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ ثُمَّ دَعَا اَمَّنَ عَلٰی دُعَائِهٖ اَرْبَعَةُ آلَافِ مَلَكٍ."

تَرْجَمَۃ :"جو شخص قرآن پڑھنے کے بعد دعا کرتا ہے تو چار ہزار فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔"

آدابِ تلاوت کے بعد ثمراتِ تلاوت بھی ملاحظہ فرمالیجیے تاکہ تلاوت کا شوق دل میں پیدا ہو اور دوسروں کو بھی آپ ان ثمرات کے حصول کا طریقہ بتا سکیں۔ یہ فوائد و ثمرات اس ناچیز نے نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، عشاقِ قرآن کے حالات اور مختلف کتابوں کے مطالعہ سے اخذ کیے ہیں۔

فوائد و ثمرات:

1. جس کا کلام اللہ سے سچا تعلق قائم ہو جاتا ہے اسے پھر کسی دوسرے کام اور کلام میں مزہ نہیں آتا اس کی زبان تلاوت کے لیے اور اس کا دل و دماغ اس کے معانی میں غور و تدبر کے لیے وقف ہو جاتا ہے گویا:

اِسے چھٹی نہ ملی جسے سبق یاد ہوا

قرآنِ کریم کے عاشقوں میں ایسے خوش قسمت حضرات بھی تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی میں سترہ ہزار سے ساٹھ ہزار دفعہ تک قرآن مجید ختم کیا۔
رات کو بستر پر لیٹتے تو ایک آیت کے اسرار و دقائق میں غور و فکر کرتے ہوئے پوری رات گزار دیتے۔

2. قرآن کے قاری کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے اور خواص شمار ہوتے ہیں۔

3. تلاوتِ قرآن سے دل روشن ہو جاتا ہے اور قیامت کی ظلمتوں اور شدائد اور مصائب سے اللہ تعالیٰ بچا لیتا ہے۔

4. قرآنِ کریم کے خادموں کی عمریں طویل ہوئی ہیں۔ پھر کمال یہ کہ وہ زندگی کے

آخری لمحات تک خدمت قرآن میں مصروف رہتے ہیں......ان میں آپ کو سو سال کی عمر میں درس وتدریس کرنے والے بھی ملیں گے۔

5. عمر کا وہ دور جسے قرآن کریم میں ''ارذل العمر'' کہا گیا ہے اور جس سے حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے پناہ مانگی ہے یعنی وہ دور جب انسان ہوش و حواس اور عقل وخرد کھو بیٹھتا ہے اور بچوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے، اس دور سے اللہ تعالیٰ اپنی کتابِ مقدس کے سچے خادموں کو بچا لیتا ہے اور وہ آخر وقت تک ہشاش بشاش رہتے ہیں۔

6. قرآنِ کریم کی تلاوت سے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف ''الم'' کہنے سے نوے نیکیاں مل جاتی ہیں۔ اس لئے کہ اس کا ہر حرف حقیقت میں تین حروف سے مرکب ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب کا پابند نہیں اگر اخلاص نہ ہو تو پورا قرآن پڑھ جانے پر بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

7. قرآن شریف پڑھنے والے پر رحمت کا سائبان تن جاتا ہے۔ اسے فرشتے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اس پر سکینہ نازل ہونے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اس کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

8. جو لوگ زندگی بھر اخلاص کے ساتھ قرآنِ کریم پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں نزع کی حالت میں ان کی زبانوں پر قرآنی آیات جاری ہو جاتی ہیں۔

9. سچے حاملان قرآن کی زبان میٹھی ہوتی ہے۔ مذاق پاکیزہ ہوتا ہے، جذبات اعلیٰ ہوتے ہیں، اخلاق نورانی ہوتے ہیں اسی لیے اللہ کے نیک بندے انہیں اچھا ہم نشین سمجھ کر ان کی صحبت اور مجلس کو غنیمت جانتے ہیں۔

⑩ تزکیہ وتصوف کی ساری بنیاد اس پر ہے کہ سالک کے دل سے عجب اور خواہش نفسانی کو نکال دیا جائے اور مجاہدات سے اس کے دل میں یقین پیدا کر دیا جائے۔صوفیاء کا دعویٰ ہے کہ یہ تینوں باتیں قرآنِ کریم کی تلاوت،حفظ اور اس کے معانی میں غور وفکر سے حاصل ہوسکتی ہیں۔وصولِ حق کے لیے اس سے زیادہ مختصر اور یقینی راہ نہیں ہوسکتی۔

حضرت نظام الدین سلطان المشائخ رحمہ اللہ سے مولانا فخر الدین رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ کلام اللہ میں مشغولی بہتر ہے یا ذکر میں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''ذکر سے وصول جلد ہوتا ہے مگر ساتھ ہی خوف زوال بھی لگا رہتا ہے،تلاوت میں وصول دیر سے ہوتا ہے مگر زوال کا خوف نہیں ہے۔''

⑪ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے چار چیزیں ملتی ہیں:

① اس کے نامہ اعمال میں دو ثواب لکھے جاتے ہیں۔

② دس برائیاں دور ہوتی ہیں۔

③ آنکھ کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔

④ وہ آنکھ کبھی دنیا کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتی۔

⑫ قاریٔ قرآن قبر اور حشر میں گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا اس لئے کہ ہر جگہ اس کی سفارش کرنے کے لئے قرآن کریم موجود ہوگا......حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش قبول کی جائے گی۔

(مسند احمد،الترغیب والترہیب)

13. قاریٔ قرآن کے والدین کے ساتھ قیامت کے دن رحمت و اکرام کا خصوصی معاملہ کیا جائے گا۔ انہیں ایسے جوڑے پہنائے جائیں گے جو انہیں دوسرے جنتیوں سے ممتاز کر دیں گے۔ (مسند احمد)

14. قرآن کریم کا سچا خادم جب حشر کے دن اللہ کے حضور پیش ہوگا تو خود اللہ کا کلام اللہ کے حضور درخواست کرے گا کہ اس کے ساتھ اکرام کا معاملہ کیا جائے۔ چنانچہ اسے پہلے کرامت کا تاج اور پھر کرامت کا جوڑا پہنایا جائے گا۔ پھر قرآن بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا: اے اللہ! تو اس سے راضی ہو جا۔ تو اللہ اسے اپنی رضا کا ابدی پروانہ عطا فرما دے گا۔ (ترمذی)

15. قرآن کریم کے باعمل حافظ کو قیامت کے دن اپنے بلند مرتبے کے انتخاب کا یوں اختیار دیا جائے گا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور درجات عالیہ پر چڑھتے جاؤ۔ جہاں تم آخری آیت پڑھو گے وہیں تمہارا مقام ہوگا۔ (ترمذی، مسند احمد)

16. اللہ تعالیٰ کے ہاں قاریٔ قرآن کے مقام اور مرتبہ کو دیکھ کر بڑے بڑے صلحاء یہ آرزو کریں گے کہ کاش! انہوں نے اپنی زندگی قرآن کریم کی خدمت و تلاوت اور تعلیم و تعلم میں گزاری ہوتی۔

17. قرآن کریم میں مشغول رہنے والوں کے لئے فرشتے رحمت اور مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔

18. قرآنِ کریم سے تعلق قائم کرنے والا ایک مضبوط حلقہ (عروہ وثقی) تھام لیتا ہے جو حیاۃً ومیتاً کبھی بھی ٹوٹتا نہیں ہے۔

19. اخلاصِ نیت کے ساتھ قرآنِ کریم کے پڑھنے پڑھانے والے اللہ تعالیٰ کے مقرب خواص اور اہل میں سے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے کچھ اللہ کے اہل ہیں۔ سوال کیا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''اَهْلُ الْقُرْآنِ هُمْ اَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ.''

تَرْجَمَة: ''اہل قرآن اللہ تعالیٰ کے اہل اور خواص ہیں۔''

⑳ قرآن کریم کے مخلص خادموں کو اللہ پاک دنیا ہی میں ایسی عزت اور عظمت عطا فرما دیتا ہے جو اصحابِ ثروت و اقتدار کے لئے قابل رشک ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے اہل علم اور اصحابِ جاہ و مرتبت ان کے ہاتھوں کو چومنا اور قدموں کو چھونا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

㉑ خدامِ قرآن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ غنا اور توکل سے بھر دیتا ہے وہ دنیا داروں کی ظاہری شان و شوکت اور مال و دولت کو خس و خاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور اگر آپ کو اس کے برعکس یوں نظر آئے کہ قرآن کریم کا حافظ اور عالم دنیا اور اہل دنیا کو رشک کی نظر سے دیکھتا ہے تو جان لو کہ اس کے دل میں قرآن کی عظمت نہیں بیٹھی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی قدر نہیں کی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جسے قرآن کریم جیسی نعمت عطا کی جائے اور وہ یہ سمجھے کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ افضل چیز بھی کسی کے پاس ہے تو اس نے بڑی چیز کو چھوٹا سمجھا اور چھوٹی چیز کو بڑا سمجھا۔

''فَقَدْ صَغَّرَ عَظِيْمًا وَعَظَّمَ صَغِيْرًا.''

㉒ قرآن کا شغل رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ذاکرین اور قانتین میں لکھ دیا جاتا ہے اور قرآن کریم میں مشغولی کی وجہ سے جو اذکار اور وظائف وہ نہ کر سکے ان کا

اجر وثواب اسے یونہی عطا کر دیا جاتا ہے۔

23 قرآن کریم پڑھنے والوں کے حق میں قیامت کے دن خود رسول ﷺ گواہی دیں گے۔

24 قیامت کے دن قرآن کریم کے ماہر کو مکرم اور محترم ﴿ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴾ فرشتوں کے ساتھ اٹھا جائے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

25 جہاں قرآن پڑھا جائے وہاں سے شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔

26 جو لوگ قرآن کو اپنا امام بنائیں گے انہیں قرآن سیدھا جنت میں لے جائے گا اور جو قرآن کو پس پشت ڈال دیں گے انہیں قرآن دوزخ کی طرف دھکیل دے گا۔ (الترغیب والترہیب)

27 قرآن پڑھنے والے کی بہت بڑی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب متوجہ ہو کر اس کی تلاوت وقراءت سنتا ہے اور کسی انسان کی اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہوسکتی ہے کہ احکم الحاکمین اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

28 دنیا والے اگرچہ قرآن والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے بہتر وہی لوگ ہیں جو محض اسی کی رضا کے لئے قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ (صحیح البخاری)

29 غور وفکر کے ساتھ قرآن پڑھنے والوں کی عقل روشن ہوجاتی ہے، ان کے دل حکمت سے بھر جاتے ہیں اور ان سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

قرآنِ کریم کی خالی تلاوت بھی یقیناً فائدہ سے خالی نہیں لیکن ایمانی کیفیات اور علم وحکمت انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو معانی پر نظر رکھتے ہوئے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اسی لیے بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ غور وتدبر کے ساتھ تھوڑی سی

تلاوت ہمیں اس کثیر تلاوت سے زیادہ محبوب ہے جو بغیر غور وفکر کے ہو۔

30 قرآنِ کریم کے قاری اور عالم کو نبوت کی روشنی حاصل ہو جاتی ہے۔لیکن ظاہر ہے کہ اس کی طرف وحی نہیں ہوتی اس لئے وہ نبی نہیں کہلا سکتا۔

31 قرآنِ کریم کی برکت سے دل ہی نہیں، گھر بھی آباد ہو جاتے ہیں اور رب تعالیٰ کی طرف سے خیر وبرکت کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔

32 حاملِ قرآن غیظ وغضب کے باوجود فحش گوئی سے مجتنب رہتا ہے......بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر صاحبِ قرآن کو گالی گلوچ کرتا ہوا دیکھو تو سمجھ لو کہ اسے قرآن کا نور حاصل نہیں ہوا۔

33 قرآنِ کریم میں ڈوب جانے والوں کے خیالات، جذبات، احساسات، اخلاق اور کردار وعمل سب کچھ بدل جاتا ہے، ان کے سوچنے سمجھنے، دیکھنے اور سننے کے انداز میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔

34 قرآنِ کریم کی مسلسل تلاوت سے دل میں خشوع پیدا ہو جاتا ہے۔نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے، آنکھیں برسنے لگتی ہیں......ایسے لوگ جب تلاوتِ قرآن کے وقت روتے ہیں تو دیکھنے والوں کو ترس بھی آتا ہے اور تعجب بھی ہوتا ہے۔

35 قرآن کے سچے خادموں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔وہ صاحبِ قرآن سے قرآن کا واسطہ دے کر دعا کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی بارش برسنے لگتی ہے۔

36 اہل قرآن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ازراہِ کرم فرماتے ہیں......اور اس سے بڑی فضیلت اور شرف کسی کو کیا حاصل ہو سکتا ہے......؟

37 جیسے دنیا داروں کو زخارفِ دنیا سے تمول حاصل ہوتا ہے اسی طرح اہل قرآن کو قرآن سے غنا حاصل ہوتا ہے اور جوں جوں انہیں معارفِ قرآنیہ سے شناسائی

حاصل ہوتی جاتی ہے توں توں ان کے غنا میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی کم فہم انسان دولت قرآن کے حصول کے باوجود اپنے آپ کو فقیر سمجھتا ہے تو پھر اس کے فقر کا علاج دنیا بھر کے خزانے بھی نہیں کر سکتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت دی اور اسے قرآن سکھایا پھر وہ فقر کا شکوہ کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے درمیان قیامت تک کے لئے فقر لکھ دے گا پھر آپ نے آیت پڑھی:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸﴾ (سورۃ یونس)

(۳۸) عشاقِ قرآن کے حالات پڑھنے سے قرآن شریف کی عظمت کھلتی ہے اور واقعی یقین آجاتا ہے کہ دنیا میں قرآن سے بڑی نعمت کوئی نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ انسان کو دیکھ کر انسان بنتا ہے۔ اور سب سے اعلیٰ انسان وہی ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں قرآن میں کھپا دیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا سب قرآن تھا۔ صاحبِ قرآن نے انہیں خدمت قرآن کے لئے ایسا قبول فرمایا کہ سوائے قرآن کے ان کے دل سے ہر خیال نکل گیا۔

قرآن تو خیر معجزہ ہے ہی خود عشاق قرآن کا قرآن میں استغراق اور ان کا کردار بھی زندہ معجزہ ہوتا ہے اور اس معجزہ کو دیکھنے والے متاثر ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے ...... باعمل قاریوں، حافظوں اور عالموں کی زندگیوں اور حالات کے مطالعہ نے نہ معلوم کتنوں کی زندگیوں کا رخ بدل ڈالا اور کتنوں کو حافظِ قرآن بنا دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان قول سے زیادہ عمل سے اور گفتار سے زیادہ کردار سے

متاثر ہوتا ہے (اور اس کتاب کی تالیف کا بھی ایک بڑا مقصد یہی ہے کہ قارئین قرآن کے واقعات پڑھ کر خود بھی عاشقِ قرآن بن جائیں)

39 قرآن کریم میں مشغول ہونے والوں کی زندگی میں ایک خاص قسم کا نظم وضبط پیدا ہو جاتا ہے انہیں لایعنی باتوں، فضول کاموں، غیبتوں، چغلیوں، بے فائدہ جھگڑوں، مباحثوں اور گپ شپ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ قرآنی مشغولیت انہیں وقت کا قدردان اور نظم وضبط کا عادی بنا دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے کی زندگی میں عام لوگوں سے زیادہ امور سرانجام دیتے ہیں۔

40 وہ مخلوقِ خدا کی خدمت اور نفع رسانی میں پیش پیش رہتے ہیں۔ سب سے بڑا جذبہ ان کے دل میں یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کی جو محبت وعظمت اللہ پاک نے ہمارے دل میں بٹھائی ہے وہ دوسروں کے دل میں بھی بیٹھ جائے چنانچہ یہ لوگ زندگی کی آخری سانس تک اسی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں۔

41 نفسِ انسانی کے لیے حصول کمال کے چار مرتبے ہیں:

- تہذیب ظاہر یعنی اعمالِ بد سے بچنا
- تہذیب باطن یعنی اخلاقِ ذمیمہ اور عقائدِ فاسدہ سے اجتناب کرنا
- عقائدِ حقہ اور اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ ہونا
- ظاہر اور باطن کا انوارِ الٰہی سے جگمگا اٹھنا

سورۂ یونس کی آیت نمبر 57 میں قرآن کریم کی چار صفات بیان ہوئی ہیں:

﴿مَوْعِظَةٌ﴾ ﴿شِفَآءٌ﴾ ﴿هُدًى﴾ ﴿رَحْمَةٌ﴾

ان میں سے ﴿مَوْعِظَةٌ﴾ سے پہلے، ﴿شِفَآءٌ﴾ سے دوسرے، ﴿هُدًى﴾ سے تیسرے اور ﴿رَحْمَةٌ﴾ سے چوتھے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر آپ عشاقِ قرآن

کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو آپ کو ان چاروں مراتب کی جھلک دکھائی دے گی اور یہ چاروں مراتب انہیں تعلق بالقرآن ہی سے حاصل ہوئے۔

42 اخلاصِ نیت سے خدمتِ قرآن کا صلہ بسا اوقات یوں ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے انسان کی اولاد کو بھی خدمتِ قرآن کے لیے قبول فرما لیتا ہے اور اس کی اولاد کی شرور وفتن سے حفاظت کی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے دادا شاہ وجیہ الدین نور اللہ مرقدہ قرآنِ کریم سے خصوصی شغف رکھتے تھے انہیں شہادت بھی تلاوت کے دوران نصیب ہوئی، اللہ پاک کو ان کا اپنے کلام کے ساتھ عشق اور لگاؤ پسند آ گیا اور اس نے کئی نسلوں تک ان کے خاندان کو خدمتِ قرآن کے لیے قبول فرما لیا۔ ان کے بیٹے شاہ عبدالرحیم، پوتے شاہ ولی اللہ اور چاروں پڑپوتے یعنی: شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ زندگی بھر قرآن ہی کی خدمت کرتے رہے۔

حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام نے جن یتیم بچوں کے مال و دولت کی حفاظت کے لیے دیوار تعمیر کی تھی، کہا جاتا ہے کہ ان کی ساتویں پشت میں اللہ کا کوئی نیک بندہ گذرا تھا جس کا اثر کئی نسلوں تک باقی رہا۔

43 تلاوتِ قرآن میں دل لگنے سے ذوق ونظر کو جلا ملتی ہے اور ایسے شخص کا دل غیر علمی اور غیر اصلاحی لٹریچر میں نہیں لگتا ...... جو احباب ناولوں، افسانوں، بازاری ڈائجسٹوں اور جھوٹے قصوں کہانیوں کے شوقین ہیں وہ اپنا دل اللہ تعالیٰ کی کتاب میں لگا کر تو دیکھیں۔

44 کثرتِ تلاوت سے حافظہ قوی ہو جاتا ہے۔ نسیان کے مریضوں کو یہ نسخہ ضرور استعمال کرنا چاہیے۔

45 تلاوت سے رزق میں برکت آتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ کی نوبت نہ آئے گی۔

46 ذکرِ آخرت سے غفلت دور ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایک رات میں دس آیات پڑھ لے وہ غافلوں میں نہ لکھا جائے گا۔

47 دن کے سارے کام چلتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو دن کے شروع میں سورۂ یٰسین پڑھ لے اس کی سب حاجات پوری ہوں گی۔

48 بیماروں کو شفا ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فاتحہ ہر بیماری سے شفا ہے۔

49 مخلصانہ تلاوت سے ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ تلاوت سے مزید تلاوت کی توفیق ملتی ہے۔

قرآن کریم کی خصوصیات:

آپ اس کتاب میں قرآن کریم کے عاشقوں کے عشق ومحبت کے انداز کی ذہنی کیفیات اوران کے رونے دھونے کے واقعات کا تو مطالعہ کریں گے مجھے مناسب لگتا ہے ان کے واقعات سے قبل میں ان کے ''معشوق'' کی کچھ ایسی خصوصیات اور امتیازات آپ کے سامنے بیان کردوں جو اسے دنیا بھر کے لٹریچر اور آسمانی کتابوں سے ممتاز کرتی ہیں، ان خصوصیات کے مطالعے سے آپ کے لیے یہ سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا کہ...... اگر عشق تھا تو وجہِ عشق بھی تھی۔ انسانی تصنیفات سے امتیاز کے لیے تو یہی ایک بات کافی ہے کہ قرآن الہامی کتاب ہے اور یہ تصنیفات غیر الہامی ہیں لیکن جو الہامی کتابیں ہیں ان کا دامن بھی ان اوصاف وکمالات سے خالی ہے جو قرآن کے مبارک چہرے کا مقدس غازہ ہیں۔

ان خصوصیات کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند انسان اس اعتراف پر مجبور ہو

جاتا ہے کہ اب اگر دنیا کی کسی کتاب سے عشق کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف قرآن ہے ......قرآن سے عشق دل میں اللہ کا عشق، انسانیت کا عشق اور اخلاق عالیہ کا عشق پیدا کرتا ہے......کوئی قرآن سے عشق کر کے تو دیکھے......قرآن کریم کی خصوصیات بیان کرنے کا مقصد دوسری کتابوں کی تکذیب نہیں ہے......الحمدللہ! مسلمان ساری آسمانی کتابوں اور ان کے لانے والوں پر ایمان رکھتے ہیں نہ وہ مرسلین کی توہین کرتے ہیں نہ مرسلات (کتابوں) کی تنقیص کرتے ہیں مگر وہ دوسری کتابوں پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ اس مبنی برحقیقت کا اعلان بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو چند ایسی خصوصیات عطا کی ہیں جو دوسری آسمانی کتابوں کو حاصل نہ تھیں:

1. قرآن آنحضرت ﷺ پر تدریجاً نازل ہوا جبکہ باقی کتابیں دفعۃً واحدۃً نازل ہوئیں۔
2. قرآن کریم دین و دنیا، سیاست و معاشرت، تجارت و حکومت، نکاح و طلاق، صلح و جنگ اور اخلاق و معاملات ہر قسم کے مضامین کا جامع ہے، یہ جامعیت کسی دوسری آسمانی کتاب کو حاصل نہیں۔
3. قرآن کی ایک اپنی سرکاری زبان ہے یہ کسی دوسری زبان کا لباس نہیں پہن سکتا ......کسی بھی زبان میں کیے گئے ترجمہ کو قرآن نہیں کہا جا سکتا۔
4. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس کی زبان زندہ ہے جبکہ تورات کی زبان عبرانی، انجیل کی زبان آرامی، اوستا کی زبان پارسی، زبور کی زبان سریانی اور ویدوں کی زبان سنسکرت دنیا میں کہیں بھی نہیں بولی جا رہی۔
5. قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جو دنیا کے ہر ملک میں اپنی اصلی زبان میں پڑھی جا رہی ہے، باقی کتابوں کو صرف چند خواص ہی اصلی زبان میں پڑھ سکتے ہیں

عوام میں سے کوئی بھی نہیں پڑھ سکتا، ان کی درسگاہوں میں بھی صرف تراجم پڑھائے جاتے ہیں، اصلی زبان میں کوئی کتاب نہیں پڑھائی جاتی۔

6. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جو ایک کتاب کہلاسکتی ہے جبکہ تورات بیسیوں صحیفوں اور انجیل کم از کم چار انجیلوں کا مجموعہ ہے۔

7. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جو لاکھوں انسانوں کو زبانی یاد ہے جبکہ دنیا بھر میں تورات، انجیل، زبور، گرنتھ صاحب اور ویدوں کا کوئی حافظ نہیں ملتا۔

8. قرآن ایسی کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے...... بحمداللہ یہودیت اور عیسائیت کے مراکز میں بھی ان کی کتابوں سے زیادہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔

9. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس میں کوئی ایک جملہ بھی انسانی کلام کا نہیں جبکہ دوسری کتابوں میں صفحات کے صفحات انسانی کلام پر مشتمل ہیں۔

10. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جو حضرت محمد ﷺ سے متواتر منقول ہے، آپ ﷺ سے سینکڑوں لوگوں نے پڑھا اور سنا پھر صحابہ سے لاکھوں تابعین نے اور تابعین سے لاکھوں تبع تابعین نے پڑھا اور سنا اور یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے اور انشاءاللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔

11. قرآن واحد آسمانی کتاب ہے جس کی نظیر لانے سے عرب وعجم عاجز ہیں نہ کل اس کی کوئی نظیر پیش کرسکا نہ قیامت تک اس کی کوئی نظیر پیش کرسکتا ہے۔

12. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس نے بہت مختصر وقت میں انسانوں میں انقلاب برپا کردیا اور انقلاب بھی کسی ایک جہت سے نہیں بلکہ نظریاتی، اخلاقی، معاشرتی اور عملی ہر پہلو سے ان میں انقلاب آگیا...... تاریخ انسانی میں اس قسم

کے ہمہ جہتی انقلاب کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

13 قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس کے عجائبات، اسرار اور دقائق کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتے...... بے شمار تفاسیر اس دعویٰ کا واضح ثبوت ہیں۔

14 قرآن واحد آسمانی کتاب ہے جو بحث و تحقیق کے جدید سے جدید تر معیار پر پورا اترتی ہے، تورات اور انجیل خود عیسائیوں کے قائم کردہ بحث و تحقیق کے معیارات پر پورا نہیں اتر سکتیں۔

15 قرآن واحد آسمانی کتاب ہے جس کے دنیا بھر میں پائے جانے والے نسخوں میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے، دوسری آسمانی کتابوں کے نسخہ جات میں اختلافات اور تضادات کی بھرمار ہے۔

جرمنی کے عیسائی پادریوں نے پوری دنیا سے صرف یونانی زبان میں لکھے گئے انجیل کے نسخوں کو جمع کر کے ان کا آپس میں مقابلہ کرنے کے بعد ان الفاظ میں اعتراف کیا کہ ”کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں“ اس کے بعد انہوں نے پوری دنیا سے قرآنِ کریم کے بیالیس ہزار نسخے جمع کیے اور ان کی تین نسلوں نے کئی سال تک ان کے باہمی تقابل کے بعد اعتراف کیا کہ ”ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں۔“

(خطباتِ بہاولپور: صفحہ 19، ڈاکٹر حمید اللہ پیرس)

16 قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس نے پہلی کتابوں کو منسوخ کر دیا اب اگر کسی کو ہدایت مل سکتی ہے تو قرآن اور صاحبِ قرآن کی اتباع ہی سے مل سکتی ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کا مطالعہ کر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

''لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اِتِّبَاعِىْ.''

(مشکوٰۃ: صفحہ ۳۰)

''اگر موسیٰ بھی (اس دنیا میں) زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی سے چارہ نہ تھا۔''

17 قرآن واحد آسمانی کتاب ہے جس نے اپنا پورا تعارف خود کرادیا ہے..... بھیجنے والا کون ہے؟ کس پر نازل ہوئی؟ کس زبان میں ہے؟ کن کے لیے نازل کی گئی؟ کیوں نازل کی گئی؟ کب نازل ہوئی؟ اس کی خصوصیات اور اوصاف کیا ہیں؟ کسی دوسری آسمانی کتاب نے اتنی تفصیل سے اپنا تعارف نہیں کرایا۔

18 قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس کی تعریف کفار، مشرکین اور معاندین نے بھی کی ہے......

''اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ.''

اس کتاب کے آخر میں ایسی بہت ساری شہادتیں ذکر کی گئی ہیں۔

19 قرآن واحد آسمانی کتاب ہے جو علمی تحقیق اور تاریخ کے دور سے تعلق رکھتی ہے .....تورات اور انجیل جس وقت نازل ہوئیں اس وقت تاریخ ایک تاریک دور سے گزر رہی تھی لیکن قرآن جب نازل ہوا تو زمانہ تمدن کی ایک کروٹ لے چکا تھا ..... بالخصوص آج کا دور جب کہ انکشافات اور تحقیقات جدیدہ نے انسان کی نظروں کو خیرہ کررکھا ہے اس دور کے تقاضوں پر صرف قرآن ہی پورا اتر سکتا ہے۔

20 قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس نے پہلے مذہبی پیشواؤں کو عزت بخشی ہے ورنہ دوسری آسمانی کتابوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کو معاذ اللہ شرابی، زانی اور بت پرست تک ثابت کیا گیا ہے جنہوں نے اپنی بیٹیوں تک سے زنا کیا۔

21 قرآن واحد آسمانی کتاب ہے جس کے احکام کی عملی تصویر ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اورقرآن کے اولین مخاطبین کی زندگیوں میں بالکل واضح دکھائی دیتی ہے۔

22. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جو پہلی کتابوں سے اپنا تعلق جوڑتی ہے اوران کی تصدیق کرتی ہے۔

23. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس کے اندران سارے علوم کی اصل مل جاتی ہے جوانسانوں کے لیے مفید ہیں۔

24. قرآن واحد آسمانی کتاب ہے جو ابدی ہے اس کی کوئی آیت بلکہ کوئی حرف قیامت تک منسوخ نہیں ہوسکتا۔

25. قرآن واحد آسمانی کتاب ہے جوان پڑھ دیہاتی سے لے کر جدید یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں تک سب کی روحانی اور علمی پیاس بجھاتی ہے۔

26. قرآن واحد الہامی کتاب ہے جو صاحبِ وحی کے دنیا سے رخصت ہونے سے قبل کتابی صورت میں بھی آچکی تھی اور بہت سارے سینوں میں بھی محفوظ ہوچکی تھی۔

اسماء القرآن:

قرآن کریم کی کچھ خصوصیات اس کے ان ناموں سے بھی سمجھ میں آتی ہیں جو نام خود قرآن نے ذکر کیے، اس لیے اختصار کے ساتھ اسماء القرآن بھی ذکر کیے جاتے ہیں:

- قرآن ''الکتاب'' ہے۔(سورۃ البقرۃ: ۱) کیونکہ کسی بھی کامل کتاب کی جن خصوصیات کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ قرآن میں بلکہ صرف قرآن ہی میں پائی جاتی ہیں۔
- قرآن کا نام ''قرآن'' بھی ہے۔(سورۃ الواقعۃ: ۷۷) اس لئے کہ یہ بہت سے علوم کا جامع بھی ہے اوراسے دنیا میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

❁ قرآن ''کلام'' ہے۔(سورۃ التوبۃ: ٦) اس لیے کہ یہ دل پر ویسا ہی اثر کرتا ہے جیسا کہ زخم، جسم پر اثر کرتا ہے۔ (کلام میں زخمی کرنے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔)

❁ قرآن ''نور'' ہے۔(سورۃ النسآء: ١٧) اس لیے کہ جہالت کی ظلمتوں میں یہ دلیلِ راہ کا کام دیتا ہے۔

❁ قرآن ''ہدایت'' ہے۔(سورۃ لقمان: ٣) کیونکہ یہ راہِ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

❁ قرآن ''اللہ'' کا فضل اور رحمت ہے۔(سورۃ یونس: ٥٨) اس کی محبت، تلاوت، تدبر اور عمل اللہ کے فضل اور رحمت کا سبب بنتا ہے۔

❁ قرآن ''فرقان'' ہے۔(سورۃ الفرقان: ١) یہ حق اور باطل، مسلم اور کافر، مومن اور منافق کے درمیان فرق کرتا ہے۔

❁ قرآن ''موعظۃ'' ہے۔(سورۃ یونس: ٥٧) اس کی ہر آیت میں کوئی نہ کوئی نصیحت پوشیدہ ہے۔

❁ قرآن ''ذکر'' ہے۔(سورۃ الأنبیاء: ٥٠) قرآن ہر حاملِ قرآن کے لیے باعث شرف ہے۔ اس کی تلاوت بہت بڑا ذکر ہے۔ اور اسے سمجھ کر پڑھنے سے زندگی کے مقصد کی یاددہانی بھی ہوتی ہے (ذکر کے یہ تینوں معنی ہو سکتے ہیں)

❁ قرآن ''کریم'' ہے۔(سورۃ الواقعۃ: ٧٧) یہ خود بھی شرف و کرم والا ہے اور اپنے حامل کو بھی ایسا ہی بنا دیتا ہے۔

❁ قرآن ''علی'' ہے۔(سورۃ الزخرف: ٤١) کلام کی بلندی کے جتنے تصورات بھی ممکن ہیں وہ سب قرآن میں علی وجہ الکمال پائے جاتے ہیں۔

❀ قرآن ''حکمت'' ہے۔(سورۃ القمر: ۵) اس کا ہر امر، ہر نہی، ہر قصہ، ہر بات حکمت ہی حکمت ہے۔

❀ قرآن ''حکیم'' ہے۔(سورۃ یونس: ۱،۲) یہ تغیر وتبدل اور مثال لائے جانے سے محکم ہے اور اس کی حکمت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا فواحش سے باز آجاتا ہے۔

❀ قرآن ''مہیمن'' ہے۔(سورۃ المائدۃ: ۱) یہ ساری آسمانی کتابوں کا نگران ہے، الہامی کتابوں کی ساری سچائیوں کو قرآن نے اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔

❀ قرآن ''مبارک'' ہے۔(سورۃ ص: ۲۹) جس مکان، جس سینے اور جس معاشرہ میں قرآن ہو وہاں برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

❀ قرآن ''حبل اللہ'' ہے۔(سورۃ آلِ عمران: ۱۰۳) اس رسی کو پکڑنے والا فرد ہو یا جماعت وہ بہرحال اللہ تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔

❀ قرآن ''صراطِ مستقیم'' ہے۔ (سورۃ الأنعام: ۱۵۳) قرآن سے ہٹ کر جو بھی راستے ہیں وہ کجی، طغیان اور بغاوت کے راستے ہیں۔

❀ قرآن ''قیم'' ہے۔(سورۃ الکھف: ۱،۲) اس کی کسی بات، کسی حکایت اور کسی ہدایت میں ذرہ برابر کجی نہیں۔

❀ قرآن ''فصل'' ہے۔(سورۃ الطارق: ۱۳) یہ حق اور باطل کے باب میں بھی قول فیصل ہے اور اپنے اعجاز کے ثبوت کے اعتبار سے بھی قولِ فیصل ہے۔

❀ قرآن ''نبأ عظیم'' ہے۔(سورۃ النباء: ۱،۲) تخلیق کائنات سے نزولِ قرآن کے زمانہ تک انسان کے کانوں نے قرآن سے بڑی خبر نہیں سنی۔

❀ قرآن ''احسن الحدیث'' ہے۔(سورۃ الزمر: ۲) ایسی بات اور ایسا کلام جس

میں ہر پہلو سے حسن ہی حسن اور خوبی ہی خوبی پائی جاتی ہے۔

❁ قرآن ''تنزیل'' ہے۔(سورۃ الشعراء: ۱۹۲) یہ ایک بار نہیں بتدریج نازل ہوا تاکہ اس کا سمجھنا، سمجھانا اور عمل میں لانا آسان ہو جائے۔

❁ قرآن ''روح'' ہے۔(سورۃ الشوریٰ: ۵۲) قرآن روحِ کائنات ہے، اس سے صرف مردہ دِلوں ہی کو زندگی نہیں ملتی بلکہ پوری کائنات کی زندگی اور اس کا ارتقاء قرآن سے وابستہ ہے، جب کائنات پر موت مسلط کرنے کا فیصلہ کرلیا جائے گا تب قرآن کے حروف اٹھالیے جائیں گے۔

❁ قرآن ''وحی'' ہے۔(سورۃ الشوریٰ: ۵۲) پورے قرآن میں کوئی ایک حرف بھی ایسا نہیں جو غیر وحی ہو۔(برخلاف دوسری الہامی کتابوں کے)

❁ قرآن ''مثانی'' ہے۔(سورۃ الحجر: ۸۷) اس میں قصص اور مواعظ کو بار بار بیان کیا گیا ہے یوں بھی اسے بار بار پڑھا جاتا ہے۔(ہر بار پڑھنے سے نیا لطف حاصل ہوتا ہے)

❁ قرآن ''عربی'' ہے۔(سورۃ الزمر: ۲۸) آج تک اسی زبان میں پڑھا جارہا ہے جس زبان میں نازل ہوا...... اردو، انگریزی، ہندی وغیرہ تراجم پر قرآن کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

❁ قرآن ''قول'' ہے۔(سورۃ القصص: ۵۱) یہ نبی کا خیال اور انسان کا قول نہیں بلکہ اللہ کا قول ہے۔

❁ قرآن ''بصائر'' ہے۔(سورۃ الجاثیۃ: ۲۰) اہل ایمان کے لیے ہر طرح کی بصیرتیں قرآن میں ہیں۔

❁ قرآن ''بیان'' ہے۔(سورۃ النسآء: ۱۳۸) اس میں حقائق پہیلیوں کے انداز

میں بیان نہیں ہوئے بلکہ جو کچھ ہے وہ دو اور دو چار کی طرح واضح ہے۔

❁ قرآن ''علم'' ہے۔(سورۃ الرعد: ۳۷) جو فلسفہ، جو نظریہ اور جو تحقیق قرآن سے ٹکراتی ہے وہ علم نہیں، جہل ہے۔

❁ قرآن ''حق'' ہے۔(سورۃ آل عمران: ۶۲) سارے علوم اور تحقیقات کو اس کسوٹی پر پرکھا جائے گا جو اس سے مناسبت رکھے وہ حق باقی سب باطل۔

❁ قرآن ''ھادی'' ہے۔(سورۃ الاسراء: ۹) جو اس کا دامن مضبوطی سے تھام لے اسے منزل کا راستہ ہی نہیں دکھاتا منزل تک پہنچا بھی دیتا ہے۔

❁ قرآن ''عجب'' ہے۔(سورۃ الجن: ۲۹) اس کے حقائق، اس کے دقائق اور اس کے علوم ومعارف جوں جوں کھلتے جاتے ہیں جن وانس کے تعجب میں اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

❁ قرآن ''تذکرہ'' ہے۔(سورۃ المدثر: ۵۴) یہ سراپا نصیحت ہے، ہر کسی کی خیر خواہی چاہتا ہے۔(سوائے اس بدنصیب کے جو خود اپنا خیر خواہ نہ ہو)

❁ قرآن ''عروۃ الوثقی'' ہے۔(سورۃ لقمان: ۲۲) جو اس مضبوط حلقہ کو تھام لے وہ ہلاکت اور ضلالت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

❁ قرآن ''متشابہ'' ہے۔(سورۃ الزمر: ۲۳) یہ کلام اوّل سے آخر تک اجر وثواب میں، برکت وہدایت میں، فصاحت وبلاغت میں، تاثیر اور معنویت میں یکساں ہے۔

❁ قرآن ''صدق'' ہے۔(سورۃ الزمر: ۳۳) یہ ابدی صداقتوں کا مجموعہ ہے۔ جن پر جھوٹ کی ہلکی سی پرچھائیاں بھی نہیں پڑی۔

❁ قرآن ''عدل'' ہے۔(سورۃ الأنعام: ۱۱۵) جو افراد اور جماعتیں اپنے انفرادی

اور اجتماعی مسائل میں قرآنی تعلیمات کو آزمائیں گی وہ ان کے عدل اور اعتدال کالازماً اعتراف کریں گے۔

- قرآن ''ایمان'' ہے۔(سورۃ آلِ عمران: ۱۹۳) یہ ایمان کا داعی، ایمان کا محافظ اور قلوبِ انسانی میں تخلیقِ ایمان کا باعث ہے۔
- قرآن ''مجید'' ہے۔(سورۃ البروج: ۲۱) خود بھی مجد و شرف والا ہے اپنے حاملین کو بھی مجد و شرف کے اعلیٰ مقام پر بٹھادیتا ہے۔
- قرآن ''زبور'' ہے۔(سورۃ الأنبیاء: ۱۰۵) یہ کوئی زبانی یادداشتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ اس کا حرف حرف صاحبِ وحی کی زندگی ہی میں معرضِ تحریر میں آچکا تھا۔
- قرآن ''مبین'' ہے۔(سورۃ یوسف: ۱۲) اس کی ہر بات واضح ہے، اغلاق، پیچیدگی اور ابہام کہیں بھی نہیں۔
- قرآن ''بشیر ونذیر'' ہے۔(سورۃ فصلت: ٤) یہ نیکوکاروں کو بشارتیں اور بد کاروں کو ڈراوے سناتا ہے۔
- قرآن ''عزیز'' ہے۔(سورۃ فصلت: ٤١) یہ باعزت کلام ہے، عزت کے متلاشیوں کو اسے سرآنکھوں پر رکھنا چاہیے۔
- قرآن ''بلاغ'' ہے۔(سورۃ ابراھیم: ۵۲) یہ کالوں اور گوروں، عربوں اور عجمیوں کے لئے ان کے خالق کا حیات آفریں پیغام ہے۔
- قرآن ''قصص'' ہے۔(سورۃ یوسف: ۳) اس کا ہر قصہ بہترین اور ہر حکایت ایمان آفریں ہے۔

نوٹ:

تفصیل کے لیے دیکھئے ''البرھان فی علوم القرآن'' تالیف امام بدرالدین محمد بن

عبداللہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ اور" آثار التنزیل" تالیف ڈاکٹر علامہ خالد محمود۔

اے وہ لوگو! کہ کسی کلام کو اس کی فصاحت کی وجہ سے، کسی کو نفع رسانی کی وجہ سے، کسی کو علم آفرینی کی وجہ سے، کسی کو فن آموزی کی وجہ سے اور کسی کو اس کے متکلم کی وجہ سے پسند کرتے ہو کیا تم اس کلام سے محبت نہ کرو گے جو تمہارے محسن، خالق، مالک، رازق، غفار، ستار اور رب کا کلام ہے، اور جو خصوصیات اس کلام میں پائی جاتی ہیں وہ دنیا کے کسی دوسرے کلام اور الہامی کتاب میں نہیں پائی جاتیں...... یہ کلام اللہ کا کلام ہے، اس میں کوئی بات شک وارتیاب والی نہیں، شکوک وشبہات سے نجات چاہتے ہو تو اس سے تعلق قائم کرو۔

- اگر ظلمتوں سے نجات چاہتے ہو تو اس کا دامن تھام لو۔
- اگر امن وسکون کی تلاش میں ہو تو اس کی تلاوت کو اپنا معمول بنا لو۔
- برکتوں اور رحمتوں کا نزول چاہتے ہو تو اس میں ڈوب جاؤ۔
- رب کی رضا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو اس کے بتائے ہوئے راستے سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہ ہٹاؤ۔
- اگر اللہ کے پیارے بننے کی آرزو دل میں رکھتے ہو تو آؤ اس کلام سے محبت کرو تاکہ تم اللہ کے محبوب اور پیارے بن جاؤ۔

ایمان افروز واقعات

سوزش وبکا:

حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آرہی ہے جیسی دیگچی کے ابال کی آواز ہوتی ہے۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور وہ گناہوں کی غلاظت اور گندگی سے پاک صاف ہوتے ہیں وہ جب قرآن پڑھتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

کائنات میں حضور اکرم ﷺ کے قلب مبارک سے زیادہ کس کا دل خشیتِ الٰہی سے معمور ہو سکتا ہے؟ اس لئے آپ ﷺ جب نماز میں تلاوت فرماتے تھے تو اندرونی سوزش اور درد کی وجہ سے آپ ﷺ پر گریہ وبکا کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

کیا منظر ہوگا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بار مجھ سے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو پڑھ کر سناؤں؟ جبکہ یہ آپ پر ہی نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے اس کو سنوں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ''سورۃ النساء'' پڑھنا شروع کی حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا جس کا مفہوم یہ ہے: ''اس وقت کیا منظر

ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ان سب پر (اے نبی!) آپ کو گواہ بنائیں گے" تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا بس کردو۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل ہوا تھا اور آپ اس کی خوب تلاوت بھی فرمایا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کو دوسروں کی زبان سے بھی قرآن مجید سننے کا شوق تھا اور سننے سے بھی آپ ﷺ پر ویسے ہی اثر ہوتا تھا جیسے کہ پڑھنے سے اثر ہوتا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

"اَلْبُکَاءُ عِنْدَ قِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ صِفَۃُ الْعَارِفِیْنَ وَشِعَارُ الصَّالِحِیْنَ."

"قرآن کی تلاوت کے وقت رونا عارفین کی صفت اور صالحین کا شعار ہے۔"

امام غزالی رحمہ اللہ نے قرآن پڑھتے اور سنتے ہوئے رونے کو مستحب کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ تلاوت سے رونا تب ہی آئے گا جب قرآنی آیات اور الفاظ میں غور و تدبر کرتے ہوئے تلاوت کی جائے اور حضور ﷺ کی تلاوت غور و تدبر کے ساتھ ہوتی تھی۔ احادیث میں آپ ﷺ کی تلاوت کا جو حال بیان کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر آپ ﷺ ایسی آیات پڑھتے جن میں جہنم اور اس کے عذاب یا احوالِ قیامت کا ذکر ہوتا تھا تو آپ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے تھے اور اگر ایسی آیات پڑھتے جن میں جنت اور اس کی نعمتوں اور روزِ حساب کی آسانیوں کا ذکر ہوتا تو آپ اس کے حصول کی دعا فرماتے تھے۔

فکر اور تشویش:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی تھی اس میں آپ (نفل) نماز ادا کرتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے (قرآن سن کر) مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے آپ پر ہجوم کر لیتے، آپ کی تلاوت سے محظوظ ہوتے اور آپ کی طرف دیکھنے لگتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت گریہ کرنے والے انسان تھے، تلاوتِ قرآن کے وقت آپ کو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا۔ اس بات نے مشرکین قریش کے سرداروں کو فکر اور تشویش میں مبتلا کر دیا۔ (صحیح البخاری)

فائدہ: مشرک سرداروں کی فکر اور تشویش کا سبب یہ تھا کہ کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاوت اور گریہ و بکا کو سن کر ان کے بیوی بچے مسلمان نہ ہو جائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز اور تلاوت ایسی ہوتی تھی کہ ان کے خشوع و خضوع اور خوف و خشیت کو دیکھ کر بڑے بڑے سنگدل لوگ بھی نرم دل پڑ جاتے تھے۔ لوگوں پر صحابہ کی تقریروں سے زیادہ ان کی عبادت، اخلاق اور معاملات کا اثر ہوتا تھا۔

ذوق اپنا اپنا:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں آپ کے پاس سے گذرا اور آپ (تہجد میں) آہستہ آواز میں قرآن پڑھ رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس ذات سے میں عرض معروض کر رہا تھا اس نے تو میری آواز سن لی (دوسروں کو سنانے سے کیا فائدہ؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی آواز قدرے بلند کیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! میں آپ کے پاس سے گذرا تو آپ بلند آواز میں پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس سے

میرا مقصد اونگھتے کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی آواز قدرے پست کیجئے۔

فائدہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مزاج پر جمال اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر جلال کا غلبہ تھا اس لیے دونوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جواب دیا اور حضور اکرم ﷺ نے دونوں کو اعتدال کی تلقین فرمائی۔

ویسے خود نبی کریم ﷺ سے سراً وجہراً دونوں طرح سے پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول ﷺ بغیر آواز کے خاموشی سے تلاوت فرماتے تھے یا آواز سے؟ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَمَا اَسَرَّوَ رُبَمَا جَهَرَ"

"آپ ﷺ کا دونوں طریقوں پر عمل تھا۔ کبھی آپ بغیر آواز کے خاموشی سے پڑھتے تھے اور کبھی آواز کے ساتھ۔"

اس پر حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: الحمد للہ! کہ اس نے اس معاملے میں گنجائش رکھی ہے۔ (شمائل ترمذی)

ذوق، حالات اور ضرورت کے مطابق سراً اور جہراً دونوں طریقوں سے پڑھنے کی اجازت ہے لیکن اتنی بات ضرور ملحوظ رکھی جائے کہ ہماری عبادت اور تلاوت دوسروں کی اذیت اور پریشانی کا سبب نہ بن جائے۔

بعض حضرات جو یہ کرتے ہیں کہ اسپیکر کھول کر اس میں رات گئے تک تلاوت کرتے رہتے ہیں تو یہ طریقہ قطعاً غلط ہے، انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں یہ ان کی تلاوت ثواب کے بجائے عذاب کا سبب نہ بن جائے۔ ان حضرات کی جانب سے یہ دلیل

دی جاتی ہے کہ اگر گانا بجانا اسپیکر میں ہوسکتا ہے تو تلاوت کیوں نہیں ہوسکتی تو یہ دلیل بالکل بودی اور کمزور ہے، دیگر پہلوؤں سے قطع نظر صرف یہ پہلو ہی پیش نظر رکھا جائے تو دماغ صاف ہوجائے گا کہ عبادت میں معصیت والے رنگ ڈھنگ اختیار کرنا اور نیک عمل کو عملِ بد پر قیاس کرنا کہاں کی دانشمندی اور کہاں کی دینداری ہے۔

ہچکیاں:

عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نمازِ فجر ادا کی، سورۂ یوسف پڑھتے ہوئے جب آپ اس آیت پر پہنچے:

﴿اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ (سورة يوسف)

تَرجَمَۃ: ''میں اپنے رنج وغم کی شکایت بس اللہ ہی سے کرتا ہوں۔''

تو روتے روتے آپ کی ہچکیاں بندھ گئیں، میں آخری صفوں میں کھڑا آپ کی ہچکیاں سنتا رہا۔

فَائِدَہ: تلاوت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے بلکہ شدتِ احساس کی وجہ سے بیمار پڑ جانے کے کئی واقعات حدیث اور سیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ بسا اوقات قرآن پڑھتے ہوئے آپ کسی آیت پر گذرتے تو اس قدر خوف اور گریہ آپ پر طاری ہوجاتا کہ زمین پر گر پڑتے اور دو دو دن صاحبِ فراش رہتے، لوگ آپ کو بیمار سمجھ کر عیادت اور بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوتے۔

تشویق وتذکیر:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دوسروں سے بھی تلاوت سننے کا شوق تھا چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو بہت خوش الحان قاری تھے، آپ انہیں یہ کہہ

کر قرآن پڑھنے کی فرمائش کرتے:

''ذَكِّرْنَا رَبَّنَا.''

تَرجَمَة : ''ہمیں اپنے رب کی یاد دلائیے۔''

''شَوِّقْنَا إِلَى رَبِّنَا.''

تَرجَمَة : ''ہمیں اپنے رب کی طرف شوق دلائیے۔''

اور حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ تلاوت فرما کر ان کی فرمائش پوری کر دیتے۔

فَائِدَة: قرآن کریم کی تلاوت واقعی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ کا شوق اور یاد پیدا کر دیتی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا وہ اللہ کے کلام کو دنیا کے فانی محبوبوں کے کلام سے کہیں زیادہ وقعت اور توجہ کے ساتھ سنتے تھے، اس کی ہر آیت بلکہ ہر لفظ کے مفہوم پر نظر رکھتے تھے اور بغیر سمجھے ہوئے وہ تلاوت نہیں کرتے تھے۔ تلاوت تو کیا وہ اگلی آیت اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے جب تک پہلی آیت سے متعلق تمام علوم نہیں سیکھ لیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''كُنَّا إِذَا تَعَلَّمْنَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشَرَ آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ لَمْ نَتَعَلَّمْ مِنَ الْعَشَرِ الَّذِيْ نَزَلَتْ بَعْدَهَا حَتّٰى نَعْلَمَ مَا فِيْهِ.'' (شعب الایمان: ۲/۳۳۱)

تَرجَمَة : ''جب ہم نبی اکرم ﷺ سے قرآن کی دس آیات سیکھتے تو جب تک ان سے متعلقہ تمام علوم نہ سیکھ لیتے ان کے بعد اترنے والی مزید دس آیات نہ سیکھتے۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف سورۂ بقرہ سیکھنے پر بارہ سال صرف کیے اور اس کی

تکمیل پر خوشی میں اونٹ ذبح کیا۔ (الجامع لاحکام القرآن: 1/30)

اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سورۃ کو سیکھتے سیکھتے آٹھ سال لگادیئے۔ (مؤطا امام مالک: صفحہ 190)

ایسی ہی سچی اور گہری تعلیم کا نتیجہ تھا کہ یاد کرلینے کے بعد قرآن ان کے رگ وپے میں سرایت کر جاتا تھا اور جب وہ قرآن پڑھتے یا سنتے تھے تو ان کے دل کے تار حرکت میں آجاتے تھے اور محبوبِ حقیقی کی یاد اور محبت ان کے دل میں انگڑائیاں لینے لگتی تھی۔

بلاشک بے سمجھے بوجھے قرآنی الفاظ صرف زبان سے ادا کرنا بھی اجر وثواب سے خالی نہیں لیکن اس میں وہ تاثیر، برکت اور ایمانی کیفیات کہاں جو کتاب مقدس کے معانی اور مطالب پر نظر رکھتے ہوئے تلاوت کرنے والے کو حاصل ہوتی ہیں۔

خاتمہ بالقرآن:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تلاوتِ قرآن کا بے حد اہتمام فرماتے تھے اور پھر بھی سیر نہیں ہوتے تھے اور سیر بھی کیسے ہوتے تلاوت ان کی روح کی غذا بن چکی تھی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ راوی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"اگر ہمارے دل پاک ہوں تو اپنے پروردگار کے کلام سے ہمیں کبھی بھی سیری نہ ہو اور مجھے یہ بات ناگوار ہے کہ میری زندگی میں کوئی ایسا دن گذرے جس میں میں دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت نہ کروں۔"

جب باغی دیواریں پھلانگ کر آپ کے گھر میں داخل ہوئے اس وقت بھی آپ قرآن کی تلاوت فرمارہے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ نے باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: یہ وہ عظیم الشان انسان ہیں جو ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرلیتے ہیں کیا تمہیں زیب دیتا ہے کہ ایسی بزرگ ہستی کی جان لو؟ قرآن مجید کا وہ نسخہ جس

میں آپ تلاوت کیا کرتے تھے وہ کثرتِ تلاوت کی وجہ سے بوسیدہ ہو کر پھٹ چکا تھا۔ شہادت کے وقت یہی نسخہ آپ کے سامنے کھلا رکھا تھا جب ظالم دشمن نے آپ پر وار کیا تو خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (سورة البقرة)

فَائِدَہ: قرآن پاک کا حافظ ہونے کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مصحف دیکھ کر تلاوت کا شوق اس لیے تھا کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کو چھونے اور دیکھنے کا ثواب بھی حاصل ہو، یوں بھی دیکھ کر پڑھنے سے توجہ اور انہماک بھی زیادہ ہوتا ہے اور خیال اِدھر اُدھر بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے۔

ایک ایک آیت بے مثال دولت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سعادت مندوں میں سے ہیں جن سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت سننے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ ان کی قرات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا اعتماد تھا۔

دیگر صحابہ کی طرح آپ بھی قرآن کریم کے معانی پر نظر رکھتے ہوئے تلاوت فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض اوقات آپ کی پوری رات نماز میں ایک ہی آیت کو دہراتے گذر جاتی تھی۔

تلاوت کے ساتھ آپ قرآن کی تعلیم وتدریس کا بھی بہت اہتمام فرماتے تھے اور صحابہ کے سامنے باقاعدہ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔

درسِ قرآن کے دوران اپنے شاگردوں کے دلوں میں قرآن کی عظمت اور شوکت بھی بٹھا دیتے تھے چنانچہ جس شخص کو قرآن کی ایک آیت پڑھاتے اسے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرماتے:

’’لَهِيَ خَيْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْ مِمَّا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ.‘‘

تَرجَمَۃ: ’’یہ روئے زمین کی سب سے قیمتی دولت ہے۔‘‘

اور یہ بات کسی ایک آیت کے بارے میں نہیں بلکہ ہر ہر آیت پر یہ ارشاد دہراتے جاتے تھے:

’’حَتّٰى يَقُوْلَ ذٰلِكَ فِي الْقُرْاٰنِ كُلِّهٖ.‘‘

تَرجَمَۃ: ’’یہاں تک کہ پورے قرآن کے بارے میں یہی فرماتے تھے۔‘‘

فَائِدَہ: اس میں شک ہی کیا ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت بے مثال دولت ہے لیکن اس دولت کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے بصارت اور بصیرت کی ضرورت ہے۔ دل کے اندھوں کو یہ دولت نہ محسوس ہو سکتی ہے نہ دکھائی دے سکتی ہے وہ تو بس روپے پیسے ہی کو سب سے بڑی دولت سمجھتے ہیں اسی کے لیے جیتے اور اسی کے لیے مرتے ہیں جب کہ ایمانی نظر رکھنے والے قرآن کریم جیسی نعمتِ عظمیٰ کے بغیر اپنے آپ کو سب سے بڑا فقیر اور کنگلا سمجھتے ہیں۔

ہم سب سے سوال:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے روز وشب کا بہت سارا حصہ تلاوتِ قرآن کے لیے وقف تھا وہ اکثر قرآن مجید دیکھ کر تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت نافع رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا کہ تمہارے آقا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر میں رہ کر کیا کرتے تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ جو کچھ بھی کرتے تھے اسے معمول بنانا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ ان کا معمول تھا کہ ہر نماز کے لیے وضو کرتے اور نمازوں کے درمیان کے پورے وقت قرآن مجید کھول کر تلاوت میں

صرف فرماتے۔(طبقات ابن سعد:4/286)

آپ دوسرے مسلمانوں کو بھی تلاوتِ قرآن کی ترغیب دیتے تھے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

"جب تم میں سے کوئی بازار سے لوٹ کر گھر آئے تو اسے چاہیے کہ قرآن مجید کھول کر تلاوت کرے، اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں لکھیں گے۔" (کنزالعمال:1/219)

حضرت نافع رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن کی یہ آیت تلاوت کرتے:

﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

(سورۃ الحدید)

تَرجَمَۃ: "کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے سامنے جھک جائیں۔"

تو رو پڑتے اور اس قدر روتے کہ بے حال ہو جاتے۔

فَائِدَہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رونا اس لئے آتا تھا کیونکہ اس آیت کریمہ میں ایمان والوں سے جو سوال کیا گیا ہے وہ اس سوال کا مخاطب اپنے آپ کو سمجھتے تھے، انہیں یوں محسوس ہوتا تھا کہ مجھے مخاطب کر کے سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تمہارا دل اللہ کے ذکر کے سامنے جھک جائے۔

قرآن یہ سوال ہم سب سے کر رہا ہے کہ کب تک غفلت اور معاصی میں ڈوبے رہو گے؟ عمر گذرتی جارہی ہے، بال سفید ہو گئے ہیں، کمر جھک گئی ہے، کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے......کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم معاصی سے باز آ جاؤ اور تمہارے دل

اورتمہارے بدن رب العلمین کے سامنے جھک جائیں؟......لیکن ہم اپنے آپ کو کبھی اس سوال کا مخاطب سمجھتے ہی نہیں اور سمجھیں بھی کیسے جبکہ ہماری تلاوت ہوتی ہی بغیر سمجھے ہے اسی لیے تلاوت سے نہ ہمارے دلوں میں رقت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی آنکھوں میں آنسو آتے ہیں۔

پورا قرآن پڑھنے سے زیادہ محبوب:

ابوحمزہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں قرآن بہت تیز رفتاری سے پڑھتا ہوں اور تین روز میں قرآن مجید ختم کرلیتا ہوں۔آپ نے ارشاد فرمایا: اگر میں پوری رات کھڑے ہوکر صرف ''سورۃ البقرۃ'' پڑھوں اس طرح کہ اس میں غور وتدبّر کرتا جاؤں اور اسے ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھوں تو یہ بات تمہاری طرح پورا قرآن پڑھ جانے سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔

(شعب الایمان:2/360)

اور واقعۃً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ذاتی عمل یونہی تھا کہ آپ مقدار سے زیادہ معیار کو ملحوظ رکھتے تھے۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک اور مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہا، آپ سفر میں دو رکعت پڑھتے تھے کہیں پڑاؤ ڈالتے تو (معمول تھا کہ) نصف شب کو اٹھ کھڑے ہوتے اور نماز میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے ایک ایک حرف جدا پڑھتے اور اس دوران کثرت سے روتے اور آہ وزاری کرتے اور یہ آیت تلاوت کرتے۔

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ⑲﴾ (سورۃ قٓ)

تَرجَمَۃ: ''اور آ پہنچی موت کی بے ہوشی سچائی کے ساتھ، یہی وہ حقیقت ہے جس سے تو بدکتا رہتا تھا۔'' (شعب الایمان: 2/365)

فَائِدَۃ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی سے یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ وہ فہم قرآن کو لازمی چیز سمجھتے تھے اور ان کی تلاوت غور و تدبر کے ساتھ ہوتی تھی۔

جن صحابہ کرام کے بارے میں ہم یہ پڑھتے اور سنتے ہیں کہ وہ ایک ہی شب میں پورا قرآن ختم کر لیتے تھے تو وہ بھی سمجھ کر ہی پڑھتے تھے لیکن ان کی قوتِ فہم و ادراک اس قدر تیز تھی کہ تیزی سے پڑھنا ان کے فہم معانی میں حائل نہیں ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ اپنے اپنے ذوق کی بھی بات تھی۔ کسی کو جلدی سے جلدی پورا قرآن پڑھ لینے میں زیادہ لطف آتا تھا اور کسی کو بحرِ معانی کی غرقابی میں زیادہ لذت محسوس ہوتی تھی گویا کسی کو سطح کی تیراکی ہی میں سکون مل جاتا تھا اور کسی کے دل کو گہرائی تک رسائی کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔

ہم میں سے بھی کسی کو اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا فہم عطا فرمایا ہو کہ وہ تیزی سے پڑھنے کے باوجود معانی پر نظر رکھ سکتا ہو تو اس کے تیز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ لوگ جو تیزی کی کوشش میں الفاظ کا حلیہ تک بگاڑ دیتے ہیں اور قدرت کے باوجود فہم قرآن کو غیر ضروری اور زائد چیز سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں ان کے رویے کی بہر صورت مذمت کی جانی چاہیے اور اس قسم کی غلط سوچ کی ہمیں اصلاح بھی کرنی چاہیے۔

اتنا سا کام:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود تو قرآن کے شیدائی تھے ہی ان کی کوشش اور فکر یہ تھی کہ سارے ہی مسلمان اس عظیم کتاب کے شیدائی بن جائیں اور کوئی بھی مسلمان اس کی تلاوت سے محروم نہ رہے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

’’مَا يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ إِذَا رَجَعَ مِنْ سُوْقِهِ أَوْ مِنْ حَاجَتِهِ فَاتَّكَأَ عَلٰى فِرَاشِهِ أَنْ يَقْرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِّنَ الْقُرْآنِ.‘‘

(سنن الدارمي: ۲/۵۲۸)

’’جب تم میں سے کوئی شخص اپنی دکان یا اپنے کام کاج سے واپس آئے تو کم از کم بستر پر ٹیک لگا کر ہی قرآن کی تین آیات تلاوت کرلے۔ اتنا سا کام کرلینے میں بھلا تمہارے لیے کیا رکاوٹ ہے۔‘‘

فَائِدَہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ تھا کہ کسی بھی مسلمان کا کوئی بھی دن قرآن کریم کی تلاوت کے بغیر نہیں گذرنا چاہیے، اگر وہ تھکا ہوا بھی ہو تو اسے بستر پر بیٹھے یا لیٹے ہوئے ہی چند آیات پڑھ لینی چاہیے۔

آلِ داوٗد علیہ السلام کا مزمار:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں ایک رات مسجد سے نکلا تو اچانک دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور ایک شخص نماز میں مصروف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بریدہ! تمہارا کیا خیال ہے یہ شخص ریا کار ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا: نہیں وہ ریا کار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا مومن (بندہ) ہے جسے آل داوٗد علیہ السلام کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا کیا گیا ہے (یعنی داوٗد علیہ السلام کی سی خوش الحانی عطا کی گئی ہے) میں اس شخص کے قریب گیا (اور دیکھا) تو وہ ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) تھے میں نے ان کو یہ خوش خبری سنادی۔ (صحیح مسلم)

فَائِدَہ: حضرت داوٗد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ قسم کی خوش الحانی عطا فرمائی تھی وہ جب اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوتے تو ان کے وجد آفریں نغموں سے

نہ صرف انسان بلکہ وحوش وطیور بھی وجد میں آجاتے اور آپ کے ارد گرد جمع ہو کر اپنی سریلی اور پُر کیف آوازوں سے حضرت داوٗد علیہ السلام کی ہمنوائی کرتے، اور صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی حمد باری تعالیٰ سے گونج اٹھتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے انتہائی خوبصورت آواز سے نوازا تھا مگر وہ اپنی خوش آوازی کو دنیا کمانے اور لوگوں میں اپنا مقام بنانے کے لئے استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ وہ اللہ کی رضا کے لیے پڑھتے تھے اور سننے والوں کے دل جھوم جھوم اٹھتے تھے۔

خوش آوازی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے اور مبارک ہیں وہ لوگ جو اس نعمت کو نعمتِ قرآن کی خدمت و اشاعت میں استعمال فرماتے ہیں اور بہت ہی بدقسمت ہیں وہ انسان جنہیں اللہ پاک نے خوش الحانی کی نعمت عطا فرمائی ہے مگر وہ اس نعمت کو گانے بجانے میں یا قوالی وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں یا وہ پڑھتے تو نعتیں اور قرآن ہیں لیکن ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ واہ واہ ہو جائے اور انہیں چند کھوٹے سکے مل جائیں۔

آج اس قسم کے قاری اور نعت خواں بے شمار ہیں، ان کی آواز میں سوز، لہجے میں کشش اور انداز میں دلربائی ہوتی ہے لیکن ان کی زندگیاں عمل سے یکسر خالی ہوتی ہیں، ان کی صورت اور سیرت میں قرآن کی تعلیمات اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔

فضل و رحمت:

سید القراء حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ فن قراءت کے تسلیم شدہ امام تھے اس لئے بڑے بڑے صحابہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سمیت کئی اکابر صحابہ آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں، آپ

کی جلالتِ شان اور عظمت ورفعت کے لیے یہی کافی ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:

’’إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ.‘‘

تَرجَمَة: ’’اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں۔‘‘

حضرت ابی رضی اللہ عنہ بولے: کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے میرا نام لے کر فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں!‘‘ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پوچھا: کیا رب العالمین کے ہاں میرا تذکرہ ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں!‘‘ یہ سن کر ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ (صحیح البخاری)

حضرت عبدالرحمن بن ابزی رحمہ اللہ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کو اس واقعہ سے خوشی ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا: خوشی کیوں نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾

(سورة يونس: ٥٨)

تَرجَمَة: ’’آپ فرما دیجیے کہ لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔‘‘

فَائِدَة: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں جو آنسو آئے تو یہ خوشی کے آنسو تھے اور انہوں نے فرمایا کہ میں اس واقعہ سے خوش کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت پر خوش ہونا چاہیے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فضل اور رحمت دونوں سے اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے اور اسی کے لیے حکم ہو رہا ہے کہ جب ایسی عظیم نعمت مل گئی تو اس پر خوش ہونا چاہیے۔

بعض دوسرے حضرات کا خیال یہ ہے کہ فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد اسلام ہے یعنی مسلمانوں کو سب سے زیادہ خوشی قرآن اور اسلام کی نعمت پر ہونی چاہیے۔

آج ہماری نظروں میں ان نعمتوں کی وقعت اور عظمت باقی نہیں رہی اسلئے کہ ہمیں یہ نعمتیں بغیر کسی قربانی اور ایثار کے مل گئی ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چونکہ اپنا سب کچھ لٹا کر یہ نعمتیں حاصل کی تھیں اسلئے ان کی نظر میں قرآن اور ایمان درہم و دینار، اہل و عیال، عیش و عشرت اور عہدہ و منصب بلکہ جان سے بھی زیادہ قیمت رکھتے تھے۔

فرشتوں کا نزول:

معروف انصاری صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جن کے متعلق لسانِ نبوت نے شہادت دی کہ:

''نِعْمَ الرَّجُلُ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ.''

''اسید بن حضیر اچھے آدمی ہیں۔''

آپ بھی حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کی طرح بڑے خوش الحان قاری تھے۔ ان کا یہ واقعہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں درج ہے کہ نماز تہجد میں ''سورۂ بقرہ'' تلاوت کر رہے تھے۔ گھوڑا جو کہ پاس ہی بندھا ہوا تھا، اچانک بدکنے لگا اور یہ خاموش ہو گئے تو وہ بھی سکون میں آ گیا۔ انہوں نے دوبارہ تلاوت شروع کر دی تو وہ پھر بدکنے لگا اور ان کے خاموش ہو جانے پر ٹھہر گیا۔ آخر تلاوت روک دی ان کا بچہ یحییٰ گھوڑے کے قریب ہی سو رہا تھا یہ ڈر گئے کہ گھوڑا اسے تکلیف نہ پہنچائے۔ جب بچے کو وہاں سے ہٹایا تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو سائبان کی طرح کوئی چیز نظر آئی جس میں چراغوں کی طرح روشنی ہے۔ جب صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ کو یہ ماجرا بیان کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن حضیر! تم تلاوت جاری رکھتے، ابن حضیر! تم تلاوت جاری

رکھتے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ گھوڑا بچے کو روند نہ ڈالے، وہ گھوڑے کے قریب تھا اس اندیشہ سے (تلاوت روک کر) بچے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نگاہ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا تو سائبان کی طرح چیز نظر آئی جس میں چراغوں کی سی روشنی تھی اس لیے میں گھبرا کر گھر سے نکل گیا کہ اسے دیکھ نہ سکوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیا تھا؟ اسید نے فرمایا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سن کر اتر آئے تھے اگر تم تلاوت جاری رکھتے تو صبح لوگ بھی ان فرشتوں کا نظارہ کرتے اور ان کی نگاہوں سے مخفی نہ رہتے۔ (متفق علیہ واللفظ للبخاری)

فائدہ: جہاں قرآن پڑھا جاتا ہے وہاں انوار الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے۔ رحمت کے فرشتے اترتے ہیں، سکینہ نازل ہوتا ہے لیکن یہ انوار اور فرشتے عام طور پر ان مادی آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو وہ کسی کسی کو یہ نورانی چیزیں دکھا بھی دیتے ہیں جیسا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت کا سائبان اور اس سے چھن چھن کر آنے والی روشنی دکھادی لیکن جہاں تک روحانی اور قلبی دنیا کا تعلق ہے تو ہر صاحب دل انسان رحمت اور سکینہ کے نزول کو محسوس کر سکتا ہے۔ کاش! سکون کے متلاشیوں کو علم ہو جائے۔ جو سکون فہم معانی کے ساتھ تلاوتِ قرآنی میں ہے وہ دنیا کی کسی دوسری چیز میں نہیں ہے اگر انہیں اس بات کا علم ہو گیا تو پھر وہ کبھی بھی تلاوتِ قرآن سے محروم نہیں رہیں گے اور سکون کے حصول کے لیے انہیں کسی بھی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

شب بھر میں ایک ہی آیت:

حضرت تمیم داری رحمہ اللہ کثرت کے ساتھ کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والے

انسان تھے۔ ایک مرتبہ مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور نماز شروع کر کے ''سورۂ جاثیہ'' پڑھنا شروع کی جب اس آیت پر پہنچے:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۠﴾ (سورة الجاثية)

تَرجَمَة: ''یہ لوگ جو بُرے بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عملِ صالح اختیار کیا کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے، برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

تو شب بھر اسی آیت کو دہراتے رہے اور روتے رہے۔

فَائِدَة: یہ وہ عظیم لوگ تھے جو اپنے دلوں کا تزکیہ کر چکے تھے اور جو قرآن کریم کی ہر آیت کا حق ادا کرتے تھے وہ چونکہ غور و تدبر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے تھے اس لیے بعض اوقات کوئی ایک آیت بھی یوں ان کے دامن گیر ہو جاتی تھی کہ ان کے لئے آگے بڑھنا مشکل ہو جاتا تھا۔

جب وہ یوم الحساب کی آیات کی تلاوت کرتے تو قیامت کا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا تھا اور وہ اپنے آپ کو میدانِ حشر میں کھڑا پاتے تھے پھر لرزہ اور گریہ وزاری کی ساری ہی کیفیات ان پر طاری ہو جاتی تھیں۔

اخلاص:

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اپنی عبادت و تلاوت کے معمولات لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنے کا بہت اہتمام فرماتے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے پوچھ لیا کہ آپ کے منزل پڑھنے کی مقدار کیا ہے؟ آپ نے غصہ ہو کر جواب دیا کہ شاید تم بھی ان لوگوں میں

سے ہو جن میں ایک آدمی رات کو اٹھ کر قرآن پڑھتا ہے پھر صبح اٹھ کر لوگوں سے کہتا ہے کہ میں نے اس رات میں قرآن پڑھا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں (تنہائی میں) تین رکعت نفل ادا کروں یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ ایک ہی شب میں پورا قرآن پڑھوں پھر اٹھ کر لوگوں کو اس کی اطلاع دوں۔ (سیر اعلام النبلاء: 2/446)

فَائِدَة: کسی بھی عمل میں وزن دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے: ایک اتباع سنت سے اور دوسرے اخلاص سے، اگر ان میں سے ایک بھی چیز مفقود ہو تو عمل بے جان اور کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نیک بندے اپنے اعمال کو وزنی بنانے کی کوشش کرتے ہیں اسی لیے وہ ذکر و عبادت اور صدقہ و تلاوت میں اخفاء کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ ان مخلص انسانوں کی زندگی میں ہمارے جیسے ریاکاروں کے لیے بڑا سبق ہے جن کی ہر عبادت ہی نمود و نمائش پر مبنی ہوتی ہے۔ صدقہ و خیرات ہوتا ہے تو لوگوں میں جھوٹا مقام بنانے کے لئے اور تلاوت ہوتی ہے تو اپنی آواز کا جادو جگانے اور نام کمانے کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے دنیا پرست قاریوں کی عملی زندگی میں قرآن کا کوئی رنگ دکھائی نہیں دیتا۔

فرشتے بھی رو پڑے:

نبی اکرم ﷺ ایک نوجوان صحابی کے پاس سے گذرے وہ قرآن کی یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

﴿فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴾

(سورۃ الرحمٰن)

تَرجَمَة: ”پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو دوزخ چمڑے جیسا گلابی ہو جائے گا۔“

یہ آیت پڑھ کر وہ ٹھہر گئے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور آنسو بہاتے بہاتے دم گھٹنے لگا، روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: ہائے اس دن میرا کیا بنے گا جس میں آسمان پھٹ جائے گا تو آپ ﷺ نے ان کی گریہ وزاری سن کر ارشاد فرمایا: اے جوان! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارے رونے پر فرشتے بھی رو پڑے۔ (قیام اللیل: صفحہ 99)

فَائِدَہ: آج ایسی تلاوت کو ہمارے کان ترس گئے ہیں جو جذبات میں تلاطم برپا کردے، جسے سن کر دل کانپ جائیں اور آنکھیں بہہ پڑیں۔ عام طور پر جو تلاوت کی جاتی ہے وہ دل کے بجائے صرف حلق سے نکلتی ہے اور دلوں میں اترنے کے بجائے صرف کانوں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے۔

کلام ربی:

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ (تلاوت کے لئے) قرآن مجید اٹھاتے تو پہلے اسے چہرے پر رکھتے اور روتے ہوئے کہتے: ''كَلَامُ رَبِّيْ كِتَابُ رَبِّيْ.'' (المستدرک للحاکم: 3/243)

فَائِدَہ: ابوجہل اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا بدترین دشمن تھا، اس کے بیٹے عکرمہ ایک عرصہ تک نعمتِ اسلام سے محروم رہے لیکن یہ نعمت ان کے تعاقب میں رہی اور پھر وہ محرومی کی کوشش کے باوجود بھی محروم نہ رہ سکے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو نورِ ایمان سے منور فرما دیا تو جن دو چیزوں سے انہیں سب سے زیادہ نفرت تھی انہی سے سب سے زیادہ محبت بھی پیدا ہو گئی یعنی: قرآن اور پیغمبر قرآن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ! وہ جب قرآن کو ہاتھوں میں لیتے تو کبھی اپنے ہاتھوں کو دیکھتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے عظیم کلام اور بے مثال کتاب کو گویا:

کہاں میں اور کہاں نکہت گل

والا منظر ہوتا تھا پھر اس کی عظمت کا احساس کر کے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔

گریہ وتوبہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۝٥٩ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝٦٠﴾

(سورۃ النجم)

تَرجَمَۃ: ”سو کیا تم لوگ اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔“

تو ان آیات کو سن کر اصحابِ صفہ رو پڑے اور اس قدر روئے کہ آنسو ان کے رخساروں پر بہتے رہے، جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رونے کی آواز سنی تو آپ بھی رو پڑے، آپ کے رونے پر ہم لوگ بھی روئے پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے رو یا وہ جہنم میں نہیں جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مسلسل اصرار کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا، اگر تم لوگ گناہوں سے باز آ گئے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جن سے گناہ ہوں گے اور وہ توبہ کریں گے اور توبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمادے گا۔

(اخرجہ البیھقی فی شعب الایمان، الدر المنثور: 6/131)

فَائِدَہ: انسان سے گناہ ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت اور مزاج ہی ایسا بنایا ہے کہ اس سے غلطی ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں سے بڑی محبت ہے جو گناہ کے بعد سچے دل سے توبہ کر لیتے ہیں اور گناہوں پر ندامت

کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے ہیں۔ توبہ اور گریہ جہنم سے آزادی کا پروانہ اور جنت میں داخلے کی ضمانت ہے۔

کیا مرد اور کیا عورتیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرا معمول تھا کہ میں صبح اٹھ کر اوّل اوّل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر حاضری دیتا اور انہیں جا کر سلام کرتا، ایک دن علی الصبح میں نے حاضری دی تو وہ کھڑی نماز میں مصروف تھیں اور یہ آیت تلاوت کر رہی تھیں:

﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝﴾ (سورۃ الطور)

تَرجَمَۃ: ”سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا۔“

وہ اس آیت کو بار بار دہراتی جاتی تھیں اور دعا اور گریہ بھی کر رہی تھیں، میں انتظار میں کھڑا رہا اور کھڑے کھڑے اکتا گیا اس لئے اپنے کسی کام سے بازار روانہ ہو گیا۔ لوٹ کر آیا تو وہ اسی حال میں کھڑے نماز پڑھ رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔

(صفۃ الصفوۃ لابن جوزی رحمہ اللہ: 2/31)

فَائِدَۃ: جب ایمان کی روح پرور ہوائیں چل رہی تھیں تو ذوقِ تلاوت اور شوقِ عبادت سے نہ مرد محروم تھے اور نہ ہی عورتیں اس سعادت سے تہی دامن تھیں، کیا مرد اور کیا عورتیں سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں نے گھروں کے ماحول کو قرآن کا ماحول بنا دیا تھا، قرآن کی پرنور اور مقدس آوازوں سے در و دیوار صبح شام گونجتے تھے، چھوٹے بچوں کو دودھ کی شکل میں جسمانی غذا کے ساتھ ساتھ قرآن کی صورت میں روحانی غذا بھی مل جاتی تھی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ

ادھر بچے نے دودھ پینا چھوڑا ادھر اسے قرآن کریم کا کچھ حصہ حفظ ہو چکا تھا۔

کہاں تو وہ مبارک دور تھا اور کہاں آج کا منحوس ماحول ہے جس میں بچوں کو ایسی ماؤں کا دودھ پینا پڑتا ہے جو موسیقی پر تھرکتی اور گانوں کی آواز پر طرب میں آتی ہیں، ان کے دن کا آغاز بھی موسیقی کی آوازوں سے ہوتا ہے اور اختتام بھی ڈھول ڈھمکے پر ہوتا ہے۔

نوٹ: خواتین کی تلاوت کے مزید واقعات صفحہ 202 پر ملاحظہ فرمائیں۔

معانی کا ورود:

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی ہیں، فرمایا کرتے تھے: جو قرآن پڑھے گا اسے ضرور عقل کی دولت حاصل ہوگی خواہ اس کی عمر سو سال کیوں نہ ہوگئی ہو۔

تلاوت قرآن اور اس میں تدبر کا انہیں خاص ذوق تھا۔ ایک مرتبہ رات میں ''سورۃ الزلزال'' اور ''سورۃ القارعۃ'' پڑھنا شروع کیں، پوری رات ان دو سورتوں کو پڑھتے اور ان کے معانی میں غور وفکر کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

فرمایا کرتے تھے: قرآن کے معانی کا مجھ پر اس قدر ورود ہوتا ہے کہ پوری رات گذر جاتی ہے پھر بھی معانی کی آمد ختم نہیں ہوتی۔

(سیر اعلام النبلاء:5/25، حلیۃ الاولیاء:3/212)

فَائِدَة: قرآن کریم ایک ایسا سمندر ہے جس کی تہہ نایاب جواہر ریزوں سے لبریز ہے۔ اس سمندر میں غوطہ زن ہونے والے ہر شخص کو نئے نئے موتی ہاتھ آتے ہیں۔ جو سعادت مند لوگ اپنا تزکیہ کر لیتے ہیں اور ڈوب کر قرآن پڑھتے ہیں ان کے سامنے قرآنی علوم و معارف کے نئے نئے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور یہ

سلسلہ رکنے میں نہیں آتا۔

لطف اندوزی:

اسود بن یزید رحمہ اللہ عابد وزاہد انسان تھے، انہوں نے اکابر صحابہ کی صحبتیں اٹھائی تھیں اس لیے انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، تلاوت قرآن کا والہانہ ذوق رکھتے تھے، رمضان المبارک میں یہ ذوق عروج پر ہوتا تھا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان سو جاتے، اس کے بعد ساری رات قرآن پڑھتے تھے اور دو راتوں میں ایک قرآن ختم کر دیتے تھے۔

زندگی کے آخری ایام میں شدید بیمار ہو گئے، بیماری نے ایسا نڈھال کر دیا تھا کہ کروٹ بدلنا بھی مشکل تھا لیکن کتاب مقدس کے ساتھ جو تعلق اور رشتہ ساری زندگی رہا تھا اسے مرض الموت بھی کمزور نہ کر سکا بلکہ تکلیف کی حالت میں ان کے خیال میں لطف اندوز ہونے کے لیے تلاوت قرآن سے بڑھ کر کوئی چیز نہ تھی چنانچہ اپنے بھانجے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا سہارا لے کر تلاوت قرآن سے لطف اٹھاتے تھے۔

(تہذیب التہذیب: 1/ 191، طبقات ابن سعد: 1/ 67)

فَائِدَۃ: اگر سیرت اور سوانح کی کتابوں کو کھنگالا جائے تو دس بیس نہیں سینکڑوں ایسے واقعات مل جائیں گے کہ اللہ کے مخصوص بندے بیماری، پریشانی اور مصائب میں ذکر و دعا اور تلاوت و عبادت ہی سے سکون حاصل کرتے تھے اور اس میں انہماک کی وجہ سے وہ اپنی پریشانی کو بھول جاتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ باری تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ: اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ اور تلاوت سے بڑھ کر ذکر کیا ہو سکتا ہے۔

حزنِ طویل اور خوفِ شدید:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی بیٹا ہونے کا شرف

حاصل ہے کیونکہ ان کی والدہ جو کہ لونڈی تھیں، وہ اگر کبھی کسی کام سے گھر سے باہر جاتیں اور یہ بھوک کی وجہ سے روتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا انہیں دودھ پلا دیا کرتی تھیں۔ یہ مبارک دودھ اپنا رنگ لا کر رہا اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بچپن ہی سے قرآن کے لیے وقف ہو کر رہ گئے۔ بارہ سال کی عمر میں انہوں نے حفظ مکمل کرلیا تھا اور اس شان سے انہوں نے قرآن پڑھا کہ ابوبکر ہذلی کہتے ہیں جب تک حسن بصری رحمہ اللہ ایک سورۃ کی تفسیر وتاویل اور شان نزول وغیرہ سے پوری واقفیت حاصل نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے۔ زہد وورع کا مجسم پیکر تھے، ان پر ہمیشہ شکستگی اور حزن وملال کی کیفیت چھائی رہتی تھی، کلام اللہ کی تلاوت کرتے تو آنکھیں برسنے لگتیں، فرمایا کرتے: اللہ کی قسم! یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہو اور پھر اس پر حزن اور غمگینی نہ چھائے اور اس کے اندر سوز وگداز پیدا نہ ہو۔

ایک اور موقع پر قسم کھا کر فرمایا: ''اے آدم کی اولاد! اللہ کی قسم اگر تم قرآن پڑھو اور اس پر ایمان لے آؤ تو دنیا میں تمہارا حزن طویل، تمہارا خوف شدید اور تمہارا گریہ وبکاء کثیر ہو جائے۔'' (تذکرۃ الحفاظ: 1/26، طبقات ابن سعد: 7/126)

فائدہ: جو بھی قرآن کریم کے حقائق پر ایمان رکھتے ہوئے اور معانی میں غور وفکر کرتے ہوئے اس کی تلاوت کرے گا وہ غیر سنجیدہ نہیں رہ سکے گا۔ اسے اللہ کا خوف لاحق ہوگا اور اپنی کوتاہیوں اور فکر آخرت کی وجہ سے وہ غمگین رہے گا لیکن یہ ایسا خوف اور غم ہے جو دوسرے ہر خوف اور غم سے نجات دے دیتا ہے اور درج ذیل واقعہ ہمارے اس دعوے کی تائید کرتا ہے۔

حق گوئی وبے باکی:

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں انہیں جرأت اور استقامت کے

ساتھ حجاج بن یوسف کے ظلم کا سامنا کرنے کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہے۔

حضرت سعید رحمہ اللہ قرآن کے انتہائی عمدہ قاری تھے۔ تمام مشہور قراءتوں کے عالم تھے۔ رمضان المبارک میں ان کی عبادت وتلاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ کبھی کبھی ایک نشست میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

ان کی شہادت کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ اس وقت بھی ان کی زبان پر قرآن کی آیات تھیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ زندگی بھر انسان کی زبان پر جو کچھ رہا ہو موت کے وقت بھی وہی کچھ اس کی زبان پر ہوتا ہے۔

حجاج نے جب طویل بحث کے بعد جلاد کو حضرت سعید رحمہ اللہ کے قتل کا حکم دیا تو یہ حکم سن کر حاضرین میں سے ایک شخص رونے لگا۔ ابن جبیر رحمہ اللہ نے اس سے پوچھا: تم کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا کہ آپ کے قتل پر، فرمایا: اس کے لئے رونے کی ضرورت نہیں یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود تھا۔ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ (سورة الحديد: ٢٢)

تَرجَمَة: ''تم کو زمین اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں ان کو تمھیں پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے۔''

قتل سے قبل ابن جبیر رحمہ اللہ نے حجاج سے اتنی مہلت مانگی جس میں دو رکعت نماز پڑھ سکیں۔ حجاج نے کہا: اگر مشرق کی سمت رخ کرو تو اجازت مل سکتی ہے۔ فرمایا: کچھ حرج نہیں۔

﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (سورة البقرة: ١١٥)

تَرجَمَة: ''تم جدھر بھی رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے۔''

پھر یہ آیت پڑھی:

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾﴾ (سورة الأنعام)

تَرجَمَة: ”میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔“

حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ انہیں سر کے بل جھکا دو یہ حکم سن کر آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾﴾ (سورة طٰه)

تَرجَمَة: ”اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے پھر اسی میں سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔“

وہ مبارک ہستی جس کی ساری زندگی قرآن کریم کی تلاوت، خدمت اور اشاعت میں بسر ہوئی تھی شہادت گاہ میں چمکتی تلوار اور جلاد کی شعلہ بار آنکھوں سے ذرہ بھی نہ گھبرائی اور اس نے مذکورہ آیت کی تلاوت کے بعد کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ”الٰہی! میرے قتل کے بعد (حجاج) کو کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا۔“

یہ دعا قبول ہوئی اور ایک لاکھ سے زیادہ انسانوں کا قاتل اس قتلِ ناحق کے بعد کسی دوسرے انسان کے خون سے ہولی نہ کھیل سکا۔

جلاد شمشیر بدست موجود تھا، حجاج کے حکم پر دفعتہً اس کی تلوار چلی اور ایک سچے خادم قرآن کا سر زمین پر گر کر ہمیشہ کے لیے سجدہ ریز ہو گیا۔ زمین پر گرنے کے بعد زبان سے آخری کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ نکلا۔

فَائِدَہ: اگر دل میں ایمان اور قرآن کا نور ہو تو انسان ایسا جری اور بے باک ہو جاتا ہے کہ وہ بڑے سے بڑے ظالم کے سامنے بھی کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہتا۔

حجاج کے ظلم کا اس قدر شہرہ تھا کہ بڑے بڑے لوگ اس کے سامنے جانے سے کانپتے تھے۔ مگر حضرت سعید ابن جبیر رحمہ اللہ جن کی رگ رگ میں قرآن سرایت کر چکا تھا، ان کے قدموں میں تلوار کی چمک دیکھ کر لغزش پیدا نہ ہوئی اور ان کی زبان آخر وقت تک قرآن کی تلاوت کرتی رہی۔ حجاج نے ان کی جان تو لے لی مگر ان کے پاس جو سب سے بڑی دولت ایمان اور قرآن کی شکل میں تھی، حجاج یہ دولت ان سے چھین نہ سکا اور حضرت ابن جبیر رحمہ اللہ اس دولت کو اپنے سینے میں چھپائے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آخرت کا گھر:

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ جنہیں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے، انتہائی خوف خدا رکھنے والے انسان تھے۔

حکومت اور سلطنت دلوں کو سخت اور مواخذہ سے بے خوف بنا دیتی ہے لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دل کو اس نے خشیتِ الٰہی سے لبریز کر دیا تھا۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ان پر عجب کیفیت طاری ہو جاتی تھی خصوصاً ایسی آیات جن میں قیامت کے مناظر اور اخروی محاسبہ کا ذکر ہوتا، پڑھ کر بے حال ہو جاتے، ایک شب یہ آیت پڑھی:

﴿ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝ ﴾ (سورة القارعة)

تَرجَمَۃ: ''جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی مثل ہوں گے

اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کے مثل ہوں گے۔"

پڑھتے ہی زور سے چیخے "وَاسِئُو صَبَاحَاه" اور اچھل کر اس طرح ساکن ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا ختم ہو گئے ہیں پھر ہوش میں آ گئے۔

ایک دن نماز میں یہ آیت پڑھی:

﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴾ (سورة الصّٰفّٰت)

تَرجَمَة: "انہیں ذرا روکو، ان سے باز پرس کی جائے گی۔"

تو اتنے متاثر ہوئے کہ اسی کو بار بار دہراتے رہے اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔ انتقال کے وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور یہ آیت زبان پر تھی:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (سورة القصص)

تَرجَمَة: "یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں نہ برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت پرہیزگاروں کے لیے ہے۔" (تذکرۃ الحفاظ: 1/105، سیرت عمر بن عبدالعزیز: صفحہ 154)

فَائِدَة: جنت تکبر کرنے والوں کی جگہ نہیں بلکہ اہل تواضع کا مقام ہے، جو لوگ زمین میں بڑا بنتے ہیں اور فساد مچاتے ہیں انہیں جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائیگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ان سعادت مند انسانوں میں سے تھے جو دنیاوی عہدہ اور اقتدار کے باوجود آدابِ بندگی نہیں بھولتے اور اللہ کی کبریائی اور جلال کے سامنے ان کی گردن جھکی رہتی ہے۔

عاشقِ قرآن کی زیارت:

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ ممتاز قاری تھے، امام مالک رحمہ اللہ انہیں سید القراء کہتے

تھے۔ان کے دل میں اتنا گداز تھا کہ کلام اللہ کی موثر آیات پڑھ کر ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ایک شب کو وہ نماز پڑھتے ہوئے رونے لگے جب بہت دیر تک روتے رہے تو ان کے گھر والوں نے پریشان ہو کر رونے کی وجہ پوچھی مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، اہل خانہ نے حضرت ابو حازم رحمہ اللہ کو بلوایا، حضرت ابو حازم رحمہ اللہ نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ دورانِ تلاوت ایک آیت سامنے آگئی جس نے مجھے رلا دیا، پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ جب انہوں نے آیت بتائی تو حضرت ابو حازم رحمہ اللہ بھی زار و قطار رونے لگے۔وہ آیت یہ تھی:

﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ۝٤٧﴾

(سورۃ الزمر)

تَرجَمَۃ:''ان لوگوں کے لیے اللہ کی جانب سے ایسی چیز ظاہر ہو گئی جس کا وہم و گمان بھی نہ کرتے تھے۔''

شب خیزی، زہد و تقویٰ اور ذکر و تلاوت میں انہماک کی وجہ سے ان کے چہرے پر ایسے انوار برستے تھے کہ ان کی زیارت سے اللہ یاد آتا تھا اور نفس کی اصلاح ہوتی تھی۔

امام مالک رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب میں اپنے قلب میں قساوت محسوس کرتا تھا تو جا کر ابن منکدر کو دیکھتا تھا اس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ چند دنوں تک نفس میری نظر میں مبغوض ہو جاتا تھا۔(تہذیب التہذیب:9/473)

فَائِدَہ:جو لوگ واقعۃً ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اوڑھنا بچھونا قرآن بن جاتا ہے تو ان کی صحبت میں بیٹھنے سے دل میں ایمانی جذبات بیدار ہو جاتے ہیں اور ان کی زیارت سے اللہ یاد آجاتا ہے۔اور اگر خود قرآن پڑھنے پڑھانے والوں کی مجلسیں اور محفلیں بھی غیبت و بہتان اور دنیاداری کے تذکروں سے آباد ہوں تو ان کی محفل میں بیٹھنے والے

بھی یہی کچھ لے کر وہاں سے اٹھیں گے، ایسے حضرات پر لازم ہے کہ وہ اپنے حال کی اصلاح کریں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن جیسی بے مثال دولت اور نعمت عطا کی ہے اس کی قدر کریں اور اپنی جلوت وخلوت کو بھی اس کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں۔

نور علی نور:

علقمہ بن قیس رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پرکشش آواز دی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے قرآن پڑھوا کر سنتے اور فرماتے: میرے باپ تم پر فدا ہوں خوش آوازی کے ساتھ پڑھا کرو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ: ''حسن صوت قرآن کی زینت ہے۔''

تلاوت قرآن کے ساتھ ان کو غیر معمولی شغف تھا۔ عام معمول چھ دن میں قرآن ختم کرنے کا تھا۔ کبھی کبھی ایک رات میں قرآن پڑھ ڈالتے، ابراہیم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ علقمہ ایک مرتبہ مکہ گئے۔ شب کے وقت انہوں نے طواف شروع کیا پہلے سات پھیروں میں انہوں نے طوال ختم کیں۔ دوسرے سات پھیروں میں مئین، تیسرے سات پھیروں میں مثانی اور چوتھے میں بقیہ سورتیں ختم کیں اس طرح انہوں نے ایک شب میں طواف کی حالت میں پورا قرآن تمام کردیا۔

(حاشیہ الترغیب والترہیب:6/364)

فائدہ: طواف بجائے خود بہت بڑی عبادت ہے پھر طواف کی حالت میں قرآن کی تلاوت کو نور علی نور ہی کہا جاسکتا ہے۔

سفر آخرت کے لیے مستعد:

منصور بن زاذان واسطی رحمہ اللہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے خاص ساتھیوں میں

سے تھے۔ قرآن کی تلاوت کا خاص شغف تھا۔ رمضان المبارک میں عبادت زیادہ بڑھ جاتی تھی، روزانہ قرآن ختم کر دیتے تھے، نماز میں اس شدت کا گریہ طاری ہوتا کہ آنسو پونچھتے پونچھتے عمامہ تر ہو جاتا۔

انہوں نے عبادت اور ریاضت کو آخری حد تک پہنچا دیا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ سفر آخرت کے لئے مستعد اور تیار بیٹھے ہیں۔ ہشیم کا بیان ہے کہ وہ اتنی عبادت کرتے تھے کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ موت کا فرشتہ دروازہ پر آ گیا ہے تو جتنی عبادت وہ کرتے تھے اس میں زیادتی ممکن نہ تھی۔ (سیر اعلام النبلاء: 5/441)

فائدہ: یہ وہ سعادت مند لوگ تھے جو زندگی کے ہر دن کو آخری دن سمجھ کر گذارتے تھے، ان کی مثال اسٹیشن پر بیٹھے ہوئے ان مسافروں کی سی ہوتی ہے جنہیں یقین ہوتا ہے کہ گاڑی کسی بھی لمحے آسکتی ہے اور اس کے آتے ہی ہمارے سفر کا آغاز ہو جائے گا جبکہ ہمارے جیسے بے خبر انسانوں کی مثال ان احمقوں کی سی ہے جو اسٹیشن کی انتظار گاہ کو اپنا مستقل ٹھکانہ سمجھ کر اس کی ڈیکوریشن میں لگ جائیں۔

سات ہزار کلام:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت بڑے تاجر، فقہ حنفی کے بانی، سینکڑوں تلامذہ کے استاد اور ہزاروں انسانوں کے مرجع تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی چیز ان کی عبادت اور عمل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ کوئی پارسا نہیں دیکھا۔ اسد بن عمر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ شب کی نماز میں ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔ ان کے گریہ وزاری کی آواز سن کر پڑوسیوں کو رحم آنے لگتا تھا۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ یہ روایت محفوظ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جس مقام پر وفات پائی وہاں سات ہزار کلام مجید ختم کیے تھے۔

تکرار میں صبح:

زائدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ عشاء کی نماز مسجد میں پڑھی، نمازی نماز پڑھ کر چلے گئے، ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو معلوم نہ ہوا کہ میں مسجد میں ہوں حالانکہ تنہائی میں ان سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا تھا، انہوں نے کھڑے ہو کر نماز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا میں انتظار میں کھڑا استاد رہا کہ فارغ ہوں تو مسئلہ پوچھوں، پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچے:

﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝﴾ (سورة الطور)

تَرجَمَۃ: ''اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیا۔''

تو اس آیت کو بار بار پڑھنا شروع کیا اور اسی آیت کی تکرار میں صبح ہوگئی، یہاں تک کہ مؤذن نے فجر کی اذان دے دی۔

اسی طرح کی روایت قاسم بن معین سے بھی ہے کہ ایک رات ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نماز میں یہ آیت پڑھی:

﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ۝﴾

(سورة القمر)

تَرجَمَۃ: ''بلکہ ان کا وعدہ قیامت پر ہے اور قیامت بڑی آفت اور بہت تلخ ہے۔''

تمام رات اس کو دہراتے رہے اور شکستہ دلی سے روتے رہے۔ (التبیان: صفحہ 33)

فَائِدَہ: جب قرآن کو سمجھ کر پڑھا جاتا ہے تو قیامت کا منظر اور رب ذوالجلال کی کبریائی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے اور پھر آنسو آ ہی جاتے ہیں لیکن جو

قاری قرآن سمجھ کر اور ڈوب کر نہیں پڑھتے ان کی سریلی آواز سن کر "واہ واہ" کی صدائیں تو بلند ہوتی ہیں مگر گریہ وزاری اور "آہ" نہ انہیں نصیب ہوتی ہے نہ سننے والوں کو۔

جزائے خیر وشر:

یزید بن کمیت رحمہ اللہ جو برگزیدہ لوگوں میں سے تھے، وہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا شدید خوف تھا۔ ایک رات امام نے عشاء کی نماز میں "سورۂ اذا زلزلت" پڑھی ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی جماعت میں شامل تھے۔ جب نماز ختم کر کے آدمی چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ فکر میں غرق بیٹھے ہیں، تنفس جاری ہے، میں نے دل میں کہا چپکے سے ہٹ چلو ان کے شغل میں خلل انداز نہ ہو، چنانچہ قندیل روشن چھوڑ کر میں چلا آیا اس میں تیل تھوڑا تھا، طلوع فجر کے بعد جب میں مسجد میں پھر آیا تو میں نے دیکھا کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنی داڑھی پکڑے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں:

"يَا مَنْ يَّجْزِيْ بِمِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرٍ خَيْرًا وَ يَامَنْ يَّجْزِيْ بِمِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرٍّ شَرًّا اَجِرِ النُّعْمَانَ عَبْدَهُ مِنَ النَّارِ وَمَا يُقَرِّبُ مِنْهَا مِنَ السُّوءِ وَ اَدْخِلْهُ فِيْ سَعَةِ رَحْمَتِكَ."

"اے ذرہ بھر نیکی کا اچھا بدلہ دینے والے! اور اے ذرہ بھر برائی کا بدلہ دینے والے! اپنے بندہ نعمان کو آگ سے اور اس کے لگ بھگ عذاب سے بچایئے اور اپنی رحمت کی فضا میں داخل کیجئے۔"

میں نے اذان دی آ کر دیکھا تو قندیل روشن تھی اور وہ کھڑے ہوئے تھے، مجھے دیکھ کر کہا قندیل لینا چاہتے ہو؟ میں نے کہا صبح کی اذان دے چکا، کہا جو دیکھا ہے اس کو چھپانا یہ کہہ کر صبح کی سنتیں پڑھیں اور بیٹھ گئے میں نے تکبیر کہی تو جماعت

میں شریک ہوئے اور ہمارے ساتھ فجر کی نماز اوّل شب کے وضو سے پڑھی۔

فَائِدَہ: چونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قرآن کریم پڑھتے اور سنتے ہوئے اس کے معانی پر نظر رکھتے تھے اس لئے جب نماز میں "سورۂ زلزال" کی یہ آیات پڑھی گئیں:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ (سورة الزلزال)

تَرْجَمَۃ: "سو جو کوئی ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بھی بدی کی ہوگی اسے بھی دیکھ لے گا۔"

تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ذہن اپنے اعمال اور جزا و سزا کے دن کی طرف منتقل ہو گیا قارئین! یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ان دو آیتوں کو حدیث میں "الجامعة الفاذة" کہا گیا ہے یعنی جو اصل ان میں بیان کر دی گئی ہے وہ جامع اور منفرد ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان آیتوں میں قانون مجازات انتہائی جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

رضا کے بجائے ناراضگی:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے، انہیں فقہ، قضا اور افتاء میں رسوخ اور مثالی ملکہ حاصل تھا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ حفظِ قرآن کے بغیر اپنے درس میں کسی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی حافظِ قرآن تھے، قرآن کا ادب و احترام بھی انہوں نے استاد سے سیکھا تھا۔

ایک بار کہیں جا رہے تھے، راستہ میں دو آدمی خرید و فروخت کرنے میں جھگڑا کر رہے تھے ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میری اور تمہاری مثال تو قرآن کی

اس آیت کے مطابق ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا﴾ (سورۃ صٓ: ۲۳)

تَرجَمَۃ: ''یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے یہ کہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو۔''

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ سنا تو ان پر غصہ اور افسوس سے ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی قریب تھا کہ بے ہوش ہو جائیں جب ذرا یہ کیفیت دور ہوئی تو اس شخص سے بڑے درشت لہجہ میں کہا:

''تو اللہ سے ذرا بھی نہیں ڈرتا، کلام الٰہی کو تو نے معمولی بات چیت بنالیا ہے، قرآن کے پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ اس کو نہایت خشوع وخضوع اور خوف وہیبت کے ساتھ پڑھے ایسا نہ ہو کہ وہ ناراضگی کا سبب بن جائے، میں تجھ میں یہ کیفیت بالکل نہیں پاتا کیا تیری عقل جاتی رہی ہے کہ تو نے کلام الٰہی کو لہو ولعب بنالیا ہے۔''

فَائِدَۃ: قرآن کریم عظمت والی ذات کا عظمت والا کلام ہے، اس کے پڑھنے سے انہی لوگوں کو عظمت اور عزت نصیب ہوتی ہے جو اسے ادب اور احترام کے ساتھ پڑھتے ہیں، غفلت، لاپرواہی اور بے ادبی کے ساتھ اسے پڑھنا ثواب کے بجائے عذاب کا سبب بن سکتا ہے، یہ عذاب آخرت میں تو ظاہر ہوگا ہی کبھی کبھی دنیا میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی جھلک دکھائی دے جاتی ہے۔

پانچ باتیں:

امام عبدالرحمن اوزاعی رحمہ اللہ کا شمار دوسری صدی کے ممتاز مجتہدین مثلاً امام ابوحنیفہ، امام مالک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کی صف میں ہوتا ہے۔

علم کے علاوہ عبادت وتقویٰ میں بھی ممتاز تھے۔ خصوصیت سے رات کا بیشتر حصہ ذکر وتلاوت میں گزرتا تھا۔ فرماتے تھے کہ: جو لوگ رات کی نمازوں میں جتنا طویل قیام کریں گے، اللہ تعالیٰ اسی نسبت سے قیامت کے قیام کو ہلکا کردے گا۔ طویل قیام میں طویل قرأت فرماتے اور اس میں ان پر ایسا گریہ طاری ہوتا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا۔ سجدے میں جاتے تو آنسوؤں کی کثرت سے مصلی تر ہو جاتا تھا۔ ایک بار ایک عورت ان کی اہلیہ سے ملنے آئی اس نے دیکھا کہ مصلّے کا ایک حصہ تر ہے، پوچھا کہ کیا مصلے پر کسی بچے نے پیشاب کردیا ہے، نیک بخت بولیں: ''یہ شیخ کے آنسوؤں سے تر ہو گیا ہے یہ روزانہ سجدوں میں اسی طرح رویا کرتے ہیں۔''

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: پانچ باتیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں مشترک تھیں:

1. اجتماعیت
2. اتباعِ سنت
3. تعمیر مساجد
4. تلاوتِ قرآن پاک
5. جہاد فی سبیل اللہ

(البدایہ: 10/ 117، تذکرۃ الحفاظ: 1/ 161)

فائدہ: یہی پانچ چیزیں ہیں جو آج کے مسلمانوں کی زندگی سے نکلتی جارہی ہیں، اجتماعیت کی جگہ اختلاف اور افتراق نے لے لی ہے۔ اتباع سنت کو چھوڑ کر مسلمان بدعات میں لگ گئے ہیں، مساجد کی عمارات تو بے شک بنائی جارہی ہیں لیکن ان کی آبادی کا حق ادا نہیں کیا جارہا، قرآن پاک کی تلاوت چھوڑ کر فضولیات اور لغویات کی طرف توجہ زیادہ دی جارہی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ عارضی دنیا کی محبت میں دب کر رہ گیا ہے۔

تلاوت کا متاثر کن انداز:

امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور بزرگ حضرت ربیع رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ آپ روزانہ ایک قرآن پاک رات میں تلاوت فرمالیا کرتے تھے اور آپ کی تلاوت اتنی متاثر کن ہوتی تھی کہ سننے والے اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے۔ ابن نصر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب کبھی ہم (اپنی قلبی قساوت دور کرنے کے لئے) رونا چاہتے تھے تو آپس میں کہتے تھے کہ چلو اس نوجوان (امام شافعی رحمہ اللہ) کے پاس چلتے ہیں، آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے تلاوت کی درخواست کرتے، جب آپ تلاوت شروع فرماتے اس وقت ہم لوگوں کا یہ حال ہوتا تھا کہ ان کے سامنے گرے جاتے تھے اور رونے کی آواز بلند ہونے لگتی تھی۔ امام صاحب ہمارا یہ حال دیکھ کر تلاوت سے رک جاتے تھے۔

حسین بن علی کرابیسی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ کئی راتیں گذاری ہیں وہ تہائی رات تک نوافل میں پچاس سے سو تک آیتیں پڑھتے تھے اور ہر آیت پر مسلمانوں کے لیے دعا کرتے اور عذاب کی آیت پر اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ (سیرت ائمہ اربعہ، قاضی اطہر مبارکپوری رحمہ اللہ)

فائدہ: تلاوت کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں اس کلام کی عظمت کا احساس ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں، ایسی ہی حالت قاری اور سامع دونوں کے دل کو متاثر کرتی ہے ورنہ جن لوگوں کے دل میں اس کی عظمت بھی نہ ہو اور معانی پر بھی ان کی نظر نہ ہو وہ پورا قرآن پڑھ جائیں تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانے میں نوعمر اور کم عقل لوگ قرآن کریم پڑھنے کا تو بہت اہتمام کریں گے مگر وہ ان کے

حلقوم سے نیچے نہیں جائے گا۔(مصنف ابن ابی شیبہ:2/159)

فیصلہ کا دن:

یحییٰ بن قطان رحمہ اللہ غلام خاندان سے تھے لیکن علم وفضل نے ان کا مقام کئی آزاد انسانوں سے بھی اونچا کر دیا تھا اوران کا شمار ممتاز تابعین میں ہوتا تھا۔

کلامِ الٰہی کی تلاوت سے خاص شغف تھا لیکن وہ محض قرآن کے الفاظ ہی نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس کے معانی میں غور وتدبر کرتے تھے اسی لیے ان پر قرآن کا وہی اثر ہوتا تھا جو قلب مومن پر ہونا چاہیے بلکہ بسا اوقات قرآن کی زبان سے آخرت کا تذکرہ سن کر وہ بے خود ہوجاتے تھے۔ممتاز محدث حضرت علی بن مدینی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم لوگ ان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے،حاضرین میں سے کسی سے انہوں نے فرمایا کہ قرآن پاک کا کوئی حصہ سناؤ،اس نے ''سورۂ دخان'' کی تلاوت شروع کی جوں جوں وہ پڑھتا جاتا تھا ان پر رقت طاری ہوتی جارہی تھی۔جب وہ اس آیت پر پہنچا:

﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾ (سورة الدخان)

تَرجَمَة :''فیصلہ کے دن سب لوگ حاضر ہوں گے۔''

تو حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ پر لرزہ طاری ہوگیا اور بے ہوش ہوگئے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر گھر کی عورتیں اور بچے رو پڑے،کچھ دیر کے بعد ان کی یہ کیفیت دور ہوئی تو ان کی زبان پر بھی یہی آیت تھی:

﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾ (سورة الدخان)

(سیر اعلام النبلاء:9/139)

فَائِدَة: سچ اور جھوٹ،حق اور باطل،اچھے اور برے کے درمیان فیصلے کا دن قیامت ہے اس دن پتہ چلے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر تھا،کون سچا تھا اور کون

جھوٹا تھا، جو لوگ اس دن پر اور اس دن کی ہولنا کیوں پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس دن کا تذکرہ جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا؟

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ غلط صحبت کی وجہ سے ایک بڑے ڈاکو کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے، ڈاکہ زنی ہی میں ان کے روز وشب گذر رہے تھے کہ یکا یک فضل باری تعالیٰ نے ان کا دامن پکڑا اور ان کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، ان کی توبہ کی داستان بھی بڑی عبرت انگیز ہے، ان کو کسی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا مگر خواہشِ نفس کی تکمیل کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ایک دن موقع پا کر اس کے گھر کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہونا چاہتے تھے کہ کسی بندہ خدا نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

(سورة الحديد: ١٦)

تَرجَمَة: ''کیا ابھی اہلِ ایمان کے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لیے جھک جائیں۔''

کلام الٰہی کی یہ دل گداز آواز ان کے کانوں میں پہنچی اور کانوں کے ذریعہ دل میں اتر گئی، ایمان کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں، بے اختیار بول اٹھے اے پروردگار! وہ وقت آ گیا کہ میں بحرِ معاصی سے نکل کر تیرے دامنِ رحمت میں پناہ لوں۔

اس توبہ نصوح کے بعد ان کو علم دین کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا اور اس شوق کی تکمیل اس قدر محنت سے کی کہ انہیں امام الحرم، شیخ الاسلام اور قدوۃ الاعلام جیسے القاب سے خود اہل علم نے نوازا۔

فَائِدَة: جب اللہ تعالیٰ کی رحمت دستگیری فرماتی ہے تو لمحوں ہی میں فیصلے ہو جاتے

ہیں اور دل ودماغ بدل جاتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت فضیل رحمہ اللہ کو راہِ راست پر لانے کا ارادہ کیا تو قرآن کی ایک ہی آواز نے ان کے دل کے دروازے کھول دیئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ سوال مجھ سے ہو رہا ہے کہ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والے! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تمہارا دل اللہ کی یاد کے لیے جھک جائے۔

ہم جو گناہوں کی دلدل میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں کہ کیا ہم یہ سوچ نہیں سکتے کہ یہ سوال ہم سے ہو رہا ہے کہ اے گناہوں کی غلاظت میں آلودہ لوگو! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تمہارے دل اللہ کے ذکر اور اللہ کی کتاب کے سامنے جھک جائیں۔

سچا عاشقِ قرآن:

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو قرآن کے ساتھ سچا عشق تھا۔ خادمِ خاص ابراہیم بن اشعث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فضیل کے دل میں جس قدر اللہ کی عظمت تھی اتنی میں نے کسی کے دل میں نہیں دیکھی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم لوگ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے پاس گئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت چاہی تو اجازت نہیں ملی، کسی نے کہا کہ اگر وہ قرآن کی آواز سن لیں تو نکل آئیں گے۔

ہمارے ساتھ ایک بلند آواز آدمی تھا ہم نے اس سے کہا کہ قرآن کی کوئی آیت پڑھو، اس نے بلند آواز سے ''سورۃ تکاثر'' پڑھنی شروع کر دی وہ فوراً نکل آئے، اس وقت ان کا حال یہ تھا کہ داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ جب وہ خود قرآن پڑھتے تو ان کی آواز نہایت غمگین اور پسندیدہ ہوتی اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی انسان کو مخاطب کر رہے ہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں ان کے جو اقوالِ زرّیں منقول ہیں ان میں ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

’’حاملِ قرآن کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنی کوئی ضرورت امراء اور اہلِ دولت کے سامنے لے جائے بلکہ اس کا منصب یہ ہے کہ خلقِ خدا اپنی حاجتیں اس کے پاس لے جائے۔‘‘

یہ قول بھی انہی کا ہے:

’’جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس سے اس طرح سوال کیا جائے گا جس طرح انبیاء سے تبلیغ و رسالت کے بارے میں سوال ہوگا۔ کیونکہ قرآن پڑھنے والا انبیاء کا وارث ہے۔‘‘ (تہذیب التہذیب، صفۃ الصفوۃ: 2/135)

فہم قرآن کی خاطر:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نابغہ روزگار انسانوں میں سے تھے۔ یوں تو تمام مروجہ علوم میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مہارت دی تھی لیکن قرآن اور قرآن کی تفسیر سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں نے تفسیر قرآن میں چھوٹی بڑی سو سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اس فن سے ان کو فطری مناسبت تھی۔ قرآن مجید کی تلاوت، تدبر اور مطالعہ کی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر علوم قرآن کا خاص افاضہ فرمایا تھا، فہم قرآن کے لئے کتابوں کے علاوہ خود صاحب کتاب کی طرف رجوع فرماتے اور اس سے شرح صدر کی دولت مانگتے تھے، اپنے تدبر فی القرآن اور فہمِ قرآن کی طلب کے متعلق وہ خود بیان کرتے ہیں:

’’بعض اوقات ایک آیت کے معانی اور مطالب سمجھنے کے لیے میں نے سو سو تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے، مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مجھے اس آیت

کا فہم عنایت ہو، میں عرض کرتا کہ اے آدم وابراہیم علیہما السلام کے معلم! میری تعلیم فرما۔ میں سنسان اور غیر آباد مسجدوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا اپنی پیشانی خاک پر ملتا اور کہتا: ''يَا مُعَلِّمَ إِبْرَاهِيْمَ فَهِّمْنِيْ'' اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے! مجھے فہم قرآن عطا فرما۔''

فَائِدَة: شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے واقعہ میں ان لوگوں کے لیے عبرت ونصیحت کا بڑا اسامان ہے جو فہمِ قرآن کے لیے چند اردو اور انگریزی تفاسیر کا سطحی مطالعہ کافی سمجھتے ہیں بلکہ بعض اوقات اسی مطالعہ کی بنیاد پر وہ خود کو قرآن کا مفسر سمجھنے لگتے ہیں۔

ختم قرآن سے قبل ختم زندگی:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ آخری بار ۷۲۶ھ کو اسیر ہوئے تو شیخ نے اسارت پر بھی اللہ کا شکر ادا کیا اور خلوت وانقطاع کی پوری قدر کی اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور وِرد تلاوتِ قرآن تھا، وہ دو سال تک جیل میں رہے اس مختصر مدت میں تصنیف وتالیف اور علمی سوالات کے جوابات دینے کے ساتھ اپنے بھائی شیخ زین الدین بن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ قرآن مجید کے اسی دور کیے، زین الدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسی (80) دور ختم کرنے کے بعد جب نیا دور شروع کیا اور ''سورۂ قمر'' کی اس آیت پر پہنچے:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝﴾ (سورة القمر)

تَرجَمَة: ''جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں گے ایک اعلیٰ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک۔''

تو میرے بجائے عبداللہ بن محب اور عبداللہ زرعی کے ساتھ دور شروع فرمایا۔ یہ

دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے، شیخ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی، ابھی یہ دور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے اور یہ مجموعہ کمالات ہستی سڑسٹھ (67) سال کی عمر میں دنیا سے کوچ کر گئی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت: 2/131)

فائدہ: قرآن کریم کتاب ہی ایسی ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی، جو لوگ پوری زندگی بھی اس کتاب کے لیے وقف کر دیتے ہیں وہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہم سے کتاب اللہ کا حق ادا نہیں ہو سکا اور ختمِ قرآن سے قبل ان کا پیمانہ زندگی لبریز ہو جاتا ہے اور وہ یہ حسرت دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں:

تمنا ہے یہی خادم کبھی یہ آس پوری ہو
شروع الحمد سے ہو کر کبھی والناس پوری ہو

مشک کی بو:

قرأت عشرہ کے ائمہ میں سے پہلے امام نافع مدنی رحمہ اللہ آزاد کردہ غلام تھے، انہوں نے ستر تابعین سے قرآن شریف پڑھا پھر ساری زندگی قرآن کریم کی تدریس میں گذار دی، مسجد نبوی ﷺ میں ستر سال تک قرآن کا درس دیتے رہے، جب پڑھاتے تھے تو منہ سے مشک کی بو آتی تھی، کسی نے پوچھا: کیا آپ خوشبو لگاتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ میرے منہ میں قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، اس دن سے یہ خوشبو آتی ہے۔ سو سال کی عمر پا کر ۱۶۹ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں امام مالک رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

فائدہ: قرآن کریم کی خدمت کے نتیجے میں نہ صرف سرکار دو جہاں ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی بلکہ حبیب پاک ﷺ نے اپنا منہ مبارک ان کے منہ کے ساتھ

لگایا۔ یہ انعام تو انہیں دنیا میں ملا، آخرت میں نامعلوم کیا کچھ ملے گا۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہمارے آقا ﷺ جہاں قرآن پڑھ دیں وہاں خوشبو پھیل جاتی ہے۔

حصولِ قراَت کا شوق:

امام نافع رحمہ اللہ کی قراَت کے دوسرے راوی جن کا اصل نام تو عثمان مگر ورش کے نام سے مشہور ہو گئے، وہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے مصر سے مدینہ منورہ آئے لیکن چونکہ حضرت نافع مہاجر و انصار کی اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم دینے میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ ان کے پاس کسی دوسرے شاگرد کے لیے کچھ بھی وقت نہیں بچتا تھا اس لئے ابتداء میں انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ پھر بعض بزرگوں نے سفارش کی کہ یہ شخص نہ حاجی ہے نہ تاجر ہے محض قراَت کے شوق میں مصر سے آپ کے پاس آیا ہے اس لئے آپ کو اس کی طرف توجہ دینی چاہیے مگر آپ نے عذر فرمایا کہ مہاجرین و انصار کے مجھ پر احسانات ہیں اس لئے میں ان کی اولاد کو تعلیم دینا اوّلین فرض سمجھتا ہوں لیکن جب ان لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے حضرت ورش کو مسجد نبوی ﷺ ہی میں رہنے کی تاکید کی کہ جب فرصت ملے گی پڑھا دوں گا، دوسرے دن صبح کی نماز سے پہلے آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو پوچھا: وہ مصری کہاں ہے۔ حضرت ورش کہتے ہیں کہ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے مجھے کچھ اُصول بتائے اور پڑھنے کا حکم دیا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا، آپ غلطیاں بتلاتے اور سمجھاتے گئے جب میں 130 آیتیں پڑھ چکا تو آپ نے مجھے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ اسی وقت طلبہ کے حلقہ میں سے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے معلمِ خیر! میں یہیں رہتا ہوں اور یہ دور دراز کا سفر طے کر کے آیا ہے میں اپنے وقت

میں سے دس آیات کے بقدر اسے ہبہ کرتا ہوں، پھر ایک شخص اور نے دس آیتوں کا وقت ہبہ کیا جس پر امام صاحب نے مجھے روزانہ تیس آیتیں پڑھنے کی اجازت دے دی اس طرح میں نے کئی مرتبہ پورا قرآن مجید آپ سے پڑھا۔

قرأت میں کمال حاصل کرنے کے بعد آپ مصر واپس چلے گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سینتالیس (47) برس قرآن کریم کی خدمت کی توفیق دی۔

فَائِدَہ: ہمارے اسلاف قرآن سیکھنے کے لئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل کا سفر کرتے تھے اور پھر اساتذہ کے سامنے لجاجت کرتے تھے، ان کی ہر بات برداشت کرتے تھے، قرآنی علوم کے حصول میں سالہا سال بے دریغ خرچ کر دیتے تھے اور جب ربِّ کریم انہیں کمال عطا فرما دیتا تھا تو پھر وہ اپنی زندگی دوسروں کو باکمال بنانے میں لگا دیتے تھے۔

سینتالیس برس زبان سے کہہ دینا آسان ہے لیکن اتنا عرصہ خدمت قرآن میں لگے رہنا بڑی عبادت کا کام ہے بقول شاعر:

یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

اٹھارہ ہزار قرآن:

ابوبکر شعبہ بن عیاش رحمہ اللہ قرأت کے پانچویں امام سیدنا عاصم کوفی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، استاد کی ساری زندگی قرآن کے درس وتدریس میں گذری، پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک مسندِ تدریس پر فائز رہے، انتقال کے وقت بھی زبان پر کلام اللہ کی تلاوت جاری تھی۔ استاد والا رنگ شاگرد پر بھی چڑھ گیا۔ پوری زندگی قرآن کریم کی خدمت اور تلاوت میں گذاری، ایک بار خود فرمایا کہ: ”میں نے کبھی کوئی منکر کام نہیں کیا، تیس سال سے روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرتا ہوں۔“

ستر سال عبادت میں مصروف رہے، چالیس سال آپ کے لیے بستر نہیں بچھایا گیا اور اس عرصہ میں آپ نے شب کے وقت زمین سے پیٹھ نہیں لگائی، 24 ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا، اپنے استاد امام عاصم کے روبرو تین مرتبہ قرآن پڑھا پہلی بار پانچ پانچ آیات پڑھ کر تین سال میں ختم کیا۔ وفات کے وقت ان کی ہمشیرہ رونے لگیں تو فرمایا:

''کیوں روتی ہو (مکان کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کر کے بتلایا) اس گوشے کی طرف دیکھو میں نے اس میں اٹھارہ ہزار قرآن مجید ختم کیے ہیں اور اپنے لڑکے کو وصیت فرمائی کہ اس گوشے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا۔''

فائدہ: ہمارے ذہنوں میں قاری کا تصور بس یہ ہے کہ وہ قرآن کو بنا سنوار کر پڑھ سکتے ہیں۔ ہمارے اسلاف میں جو قاری ہوتے تھے وہ قرآن کی قرأت بھی کرتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ ان کے دن تجوید و قرأت کی تعلیم میں گذرتے تھے اور ان کی راتیں کلام اللہ کی تلاوت میں بسر ہوتی تھیں۔

حضرت قاری ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کی عملی زندگی پر ان کی تلاوت کو تقسیم کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر سال تین سو پچیس قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ آج ہم میں سے کتنے حافظ اور قاری ہیں جو صرف رمضان المبارک ہی میں ختم قرآن کو ضروری سمجھتے ہیں اور وہ بھی قرآن کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ تراویح کی مجبوری کی وجہ سے۔

غیرت و استغناء:

قرأت کے چھٹے امام حمزہ بن اسمعیل الزیات رحمہ اللہ کوفی روغن زیتون کے تاجر تھے اسی لیے انہیں زیات کہا جاتا ہے۔ فارس کے قیدیوں کی اولاد میں سے تھے۔ اللہ پاک نے اس قاری کو اپنی مقدس کتاب کی خدمت کے لیے قبول فرمالیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سیدزادوں اور صاحبزادوں سے بڑھ کر عزت اور شہرت کے مستحق قرار پائے۔

ہر مہینے میں 27 یا 28 قرآن ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پڑھنے میں تصنع اور بناوٹ پسند نہ تھی خود فرمایا کرتے تھے کہ: جس طرح راستی کے بعد کجی اور سفیدی کے بعد برص ہے اسی طرح قرأتِ فصیحہ کے بعد قرأت نہیں، لحن ہے۔

اپنے شاگردوں سے کسی قسم کی خدمت لینا پسند نہیں فرماتے تھے حتیٰ کہ ان کے ہاتھ سے پانی پینا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔

طبیعت میں غیرت اور استغناء تھی۔ درس و تدریس اور عبادت و تلاوت کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ کسبِ حلال کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے اور وہ بھی اتنی مشقت کے ساتھ کہ کوفہ سے حلوان روغنِ زیتون لے جاتے تھے اور وہاں سے پنیر اور اخروٹ کوفہ لا کر بیچتے تھے۔ یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔

فائدہ: بہت سے قراء حضرات تلاوت میں بے حد تصنع کرتے ہیں، ان میں سے بعض کانوں جیسی آواز بنانے کی بھی کوشش کرتے ہیں لیکن امام حمزہ اور ان جیسے بے شمار قدیم اور جدید قاریانِ قرآن اس چیز کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سادگی میں جو حسن اور تاثیر ہے وہ بناوٹ اور تصنع میں نہیں ہے۔ بناوٹی آوازوں اور لہجوں سے لوگ وقتی طور پر تو متاثر ضرور ہو جاتے ہیں لیکن یہ تاثر کانوں کی لذت تک محدود رہتا ہے، دلوں تک نہیں پہنچتا۔ پھر حضرت حمزہ کا یہ کمال بھی دیکھئے کہ قرأتِ قرآن کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ ہر روز تقریباً پورے قرآن کی ترتیل کے ساتھ تلاوت بھی فرماتے تھے اور ساتھ ساتھ تجارت اور کسبِ حلال کے لئے وقت بھی نکال لیتے تھے۔

ہم جب اپنے اسلاف کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کی زندگی میں یہ چیز بہت نمایاں دکھائی دیتی ہے کہ وہ اپنے فضل و کمال کے باوجود تجارت، محنت اور مزدوری کو باعثِ عار نہیں سمجھتے تھے۔

قرأتِ عشرہ کے دوسرے امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ عطر اور خوشبویات کی تجارت کرتے تھے اسی لئے انہیں داری کہا جاتا ہے۔

امام القرأت حفص بن سلیمان رحمہ اللہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور امام بن جوزی رحمہ اللہ جیسے خدامِ قرآن انسان کپڑے کے تاجر تھے۔

یہ خدامِ قرآن کسب معاش کو باعث عار کیسے سمجھ سکتے تھے جب کہ وہ جانتے تھے کہ بڑے بڑے انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی محنت مزدوری میں کبھی عار محسوس نہیں کی۔

- حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔
- حضرت نوح علیہ السلام نجاری یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے۔
- حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے۔
- حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام تاجر تھے۔
- حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام نے کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا۔
- حضرت شعیب علیہ السلام مویشی پالتے تھے اور ان کا دودھ اور اون فروخت کرتے تھے۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیشہ گلہ بانی تھا۔
- حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔
- حضرت سلیمان علیہ السلام عظیم سلطنت کے حکمران ہونے کے باوجود اپنی گذر بسر کے لئے ٹوکریاں اور زنبیلیں بناتے تھے۔
- حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت پر بکریاں بھی چرائیں اور تجارت بھی کی۔

نورِ قرآن:

قرأت کے آٹھویں امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ حضرت عیاش مخزومی رحمہ اللہ کے آزاد

کردہ غلام تھے۔آپ نے اپنے مولیٰ ہی سے قرأت سیکھی پھر پوری زندگی اشاعتِ قرآن کے لئے وقف کردی۔

حضرت امام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب آپ کی میت کو غسل کے لئے نکالا گیا تو منہ اور گردن کے درمیان قرآن مجید کا ایک ورق دکھائی دے رہا تھا۔ سب حاضرین نے یہی کہا کہ یہ نورِ قرآن ہے۔ انتقال کے بعد خواب میں نظر آئے کہ بے حد حسین ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے رفیقوں کو جو میری قرأت سے قرآن مجید پڑھتے ہیں، خوش خبری سنادو کہ میں نے ان کے لیے بخشش کی سفارش کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں میری سفارش قبول فرماتے ہوئے انہیں بخش دیا۔

فَائِدَة: جن لوگوں کی زندگی خدمتِ قرآن میں گذرے گی ان کی زندگی کا اختتام بھی قرآن مجید پر ہوگا اور قبر اور حشر میں قرآن ان کے ساتھ ہوگا اور گناہ گاروں کے حق میں ان کی سفارش بھی قبول کی جائے گی۔

دل کے بینا:

ابوالقاسم شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اندلس کے قصبہ شاطبہ میں ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے، آنکھوں سے نابینا مگر دل کے بینا تھے۔ حافظہ غیر معمولی قوی تھا، آپ کی امامت و ولایت پر سب کا اتفاق ہے، قرآن و حدیث کے حافظ تھے۔ آپ کے حافظہ سے لوگ مسلم اور بخاری کے نسخوں کی تصحیح کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نحو کے استاد اور تعبیر کے علم میں ماہر تھے۔

آپ سے اتنی مخلوق نے پڑھا کہ جس کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ فضول کلام سے پرہیز کرتے تھے۔ طلبہ کو پڑھاتے وقت وضو و طہارت اور بڑے ادب و انکسار اور خضوع وخشوع سے بیٹھتے تھے۔ قرآن اور قرآنی علوم کو چھوڑ کر دیگر علوم میں غور و فکر

سے منع فرماتے تھے۔

تجوید وقرأت میں آپ کی نظم شاطبیہ مخصوص اصطلاحات اور رموز پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بڑی دقیق ہے لیکن اس وقت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے جو مقبولیت عطا کی وہ کسی دوسری نظم اور قصیدہ کو حاصل نہیں ہوسکی اس کی اصل وجہ ان کا اخلاص اور تعلق مع اللہ ہے، جب آپ قصیدہ شاطبیہ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس کو ساتھ لے کر بیت اللہ کے گرد بارہ ہزار طواف کیے۔ جب دعا کے مقام پر پہنچتے تو نظم کی مقبولیت کی دعا کرتے۔ خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے قصیدہ کی مقبولیت کے لئے دعا فرمائی۔

فائدہ: ہم میں سے کتنے ہی لوگ ہیں جو آنکھوں کے بینا مگر دل کے نابینا ہوتے ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ آنکھوں کے نابینا مگر دل کے بینا تھے۔ اور اصل بینائی تو دل ہی کی بینائی ہے۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو دل کی بصارت اور بینائی عطا فرمادیتا ہے وہ دنیا بھر میں روشنی پھیلا دیتے ہیں۔ اگر انہیں دل کی بینائی نصیب نہ ہوتی تو خود اندازہ کیجئے کہ کیا وہ بارہ ہزار طواف کرسکتے تھے! ہزاروں شاگردوں کو پڑھا سکتے تھے اور کیا وہ حبیب پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوسکتے تھے؟ امام شاطبی رحمہ اللہ دنیا سے کب کے جاچکے ہیں لیکن ان کا فیضِ قرآن آج بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔

مقبولیت ومحبوبیت:

امام جزری دمشقی رحمہ اللہ بھی ان عشاقِ قرآن میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہترین ذہنی صلاحیتوں سے نوازا اور پھر ان کی ساری صلاحیتوں کو خدمتِ قرآن کے لیے بھی قبول فرمالیا۔ ستر سال سے زیادہ تجوید وقرأت کے حوالے سے قران کریم کی خدمت کرتے رہے۔ اس فن میں بارہ کتابیں لکھیں۔

حافظہ بہت قوی پایا تھا، جو چیز ایک مرتبہ یاد کرلی وہ گویا حافظہ میں محفوظ ہوگئی حافظے کا یہ حال تھا کہ ایک لاکھ حدیثیں سند کے ساتھ یاد تھیں۔

اخلاق وعادات میں آپ ملنسار، شیریں گفتار اور خدا ترس تھے، جب بات کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ آپ کے ہر فقرے سے فصاحت اور بلاغت ٹپکتی تھی۔ مزاج میں تواضع وانکساری تھی۔ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ اللہ تعالیٰ نے دولتِ دنیا سے بھی وافر حصہ دیا تھا جسے دل کھول کر طلبہ اور مستحقین پر خرچ کرتے تھے، علم کے ساتھ ساتھ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔

زندگی کے بڑے مشاغل تین تھے:

1. قرأت قرآن کی تعلیم و درسِ حدیث
2. تصنیف وتالیف
3. عبادت وریاضت

ساری زندگی انہی تین مشاغل میں بسر کردی، ہر مہینے تین روزے رکھتے۔ پیر اور جمعرات کے روزے اس کے علاوہ تھے جو کبھی قضا نہیں ہوئے۔ سفر تک میں شب بیداری اور تہجد گزاری میں کبھی بھی فرق نہ آیا۔ ان کے اخلاق، اوصاف وکمالات اور خدمتِ قرآن نے مرجع خلائق بنا دیا۔ جہاں جاتے شائقین کا ٹھٹھ لگ جاتا۔ خلفاء اور سلاطین ان کی خدمت کو سعادت سمجھتے اور آپ کی جدائی گوارا نہیں کرتے تھے۔

بروز جمعہ ۱۲ ربیع الاوّل ۸۳۳ھ 82 سال کی عمر میں اس سچے عاشقِ قرآن کا شیراز میں انتقال ہوا۔ اپنے مدرسے دار القرآن میں سپرد خاک کیے گئے۔ جنازے کے ساتھ اتنا ہجوم تھا کہ کندھا دینا تو ایک طرف جنازے کو چھو لینے والوں کو بوسہ دینے لوگ ٹوٹ پڑتے تھے۔

فَائِدَہ: جو خوش قسمت لوگ کلام اللہ کو محبوب بنا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں نیک انسانوں کا محبوب بنا دیتا ہے، وہ جب تک زندہ رہتے ہیں محبوبیت کے منصب پر فائز رہتے ہیں ان کی خدمت کو سعادتِ عظمیٰ تصور کیا جاتا ہے۔ وہ جب دنیا سے اٹھتے ہیں تو آسمان روتا ہے اور زمین اپنی آہ وفغاں سے فضا کو بھر دیتی ہے۔

وصول الی اللہ:

کوئی بھی مخلص اور صاحبِ درد مسلمان ایسا نہیں ہوگا جس کے دل میں باطن کی سرزمین کے شکوک وشبہات سے پاک ہونے اور اس میں یقین اور معرفت کی تخم ریزی کی تمنا نہ ہو۔ اسی کا نام وصول الی اللہ ہے۔ سلوک وتصوف کی منزلیں اور تزکیہ و تطہیر کے مجاہدے وصول الی اللہ کے لیے کرائے جاتے ہیں۔

اس مقصد کے حصول کی سب سے مؤثر صورت اللہ والوں کی صحبت ہے لیکن اگر یہ صحبت میسر نہ آسکے تو قرآن کریم کی صحبت بھی کم تاثیر نہیں رکھتی بلکہ خود اہل اللہ بھی اپنے متعلقین کو قرآن کریم ہی کی تلاوت اور اس میں غور وتدبر پر لگا دیتے ہیں کیونکہ وصول الی اللہ کا اس سے زیادہ مختصر اور قطعی راستہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت نظام الدین سلطان المشائخ رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ قرآنی راہ سے وصول کی جو سعادت اس زندگی میں میسر آتی ہے وہ کیا ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا:

''سعادت کہ حاصل آیدہ آں بر سہ قسم است، انوار است احوال است وآثار''

تلاوت سے انوار، احوال اور آثار پیدا ہوتے ہیں۔ انوار و احوال کا تعلق تو خاص عالم ملکوت سے ہے اس لئے انوار واحوال کا سمجھنا تو مشکل ہے البتہ آثار کا تعلق ''جوارح'' یعنی بدن اور اعضائے بدن پر ہونے کی وجہ سے اس کا احساس دوسروں کو

بھی ہوتا ہے۔

"بکائے، حرکتے وجنبشے کہ ظاہری شود آں را آثاری گویند"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت جب گریہ طاری ہوجائے تو وہ دراصل اس باطنی انقلاب کا اثر ہے۔ چنانچہ امیر خسرو رحمہ اللہ کو حضرت نے اسی سلوک بالقرآن پر لگا دیا تھا، وہ راتوں کو اٹھ کر تہجد میں سات پارے پڑھتے تھے۔

ایک روز حضرت نے پوچھا: "ترک! حال مشغولیہا چیست" (آج کل معمولات کا کیا حال ہے؟) انھوں نے جواب دیا: "مخدوما! چند گاہ ست کہ بوقت آخر شب گریہ مستولی می شود" (چند دنوں سے قرآن پڑھتے ہوئے آخرِ شب میں رونا آنے لگتا ہے) تو حضرت نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "الحمد للہ اندکے ظاہر شدن گرفت" (الحمد للہ! وصول کے کچھ آثار ظاہر ہونے لگے ہیں)

غرض سلطان المشائخ رحمہ اللہ سلوک بالقرآن پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کو قرآن کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کے بس میں ہوتا تو ہر مرید پر حفظ قرآن لازم قرار دے دیتے۔ خیال تو کیجیے کہ حسن اعلائے سنجری رحمہ اللہ جو شاعر ہونے کے علاوہ ایک بڑے فوجی افسر تھے، ان کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ جب وہ شرفِ بیعت سے سرفراز ہوئے تو حضرت نے حکم دیا کہ ذوقِ شعری کو کم کر کے قرآنی ذوق کو اپنے اوپر غالب کریں جب ان پر یہ ذوق غالب ہو گیا تو پھر ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سن رسیدہ مرید کو بھی آپ نے حفظِ قرآن میں لگا دیا تھا۔ (فوائد الفواد: صفحہ 93 بحوالہ تذکرہ قاریان ہند)

فَائِدَة: آج کل جب کہ بہت سی خانقاہیں دوکانوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اور اصلاح و تزکیہ کا درد رکھنے والے دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں اور ہر کسی کو اللہ والوں کی

فَائِدَہ: جو خوش قسمت لوگ کلام اللہ کو محبوب بنا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں نیک انسانوں کا محبوب بنا دیتا ہے، وہ جب تک زندہ رہتے ہیں محبوبیت کے منصب پر فائز رہتے ہیں ان کی خدمت کو سعادتِ عظمیٰ تصور کیا جاتا ہے۔ وہ جب دنیا سے اٹھتے ہیں تو آسمان روتا ہے اور زمین اپنی آہ وفغاں سے فضا کو بھر دیتی ہے۔

وصول الی اللہ:

کوئی بھی مخلص اور صاحبِ درد مسلمان ایسا نہیں ہوگا جس کے دل میں باطن کی سرزمین کے شکوک وشبہات سے پاک ہونے اور اس میں یقین اور معرفت کی تخم ریزی کی تمنا نہ ہو۔ اسی کا نام وصول الی اللہ ہے۔ سلوک وتصوف کی منزلیں اور تزکیہ و تطہیر کے مجاہدے وصول الی اللہ کے لیے کرائے جاتے ہیں۔

اس مقصد کے حصول کی سب سے مؤثر صورت اللہ والوں کی صحبت ہے لیکن اگر یہ صحبت میسر نہ آسکے تو قرآن کریم کی صحبت بھی کم تاثیر نہیں رکھتی بلکہ خود اہل اللہ بھی اپنے متعلقین کو قرآن کریم ہی کی تلاوت اور اس میں غور وتدبر پر لگا دیتے ہیں کیونکہ وصول الی اللہ کا اس سے زیادہ مختصر اور قطعی راستہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت نظام الدین سلطان المشائخ رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ قرآنی راہ سے وصول کی جو سعادت اس زندگی میں میسر آتی ہے وہ کیا ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا:

''سعادت کہ حاصل آید، آں بر سہ قسم است، انوار است احوال است وآثار''

تلاوت سے انوار، احوال اور آثار پیدا ہوتے ہیں۔ انوار واحوال کا تعلق تو خاص عالم ملکوت سے ہے اس لئے انوار واحوال کا سمجھنا تو مشکل ہے البتہ آثار کا تعلق ''جوارح'' یعنی بدن اور اعضائے بدن پر ہونے کی وجہ سے اس کا احساس دوسروں کو

بھی ہوتا ہے۔

"بکائے، حرکتے وجنبشے کہ ظاہر می شود آں را آثاری گویند"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت جب گریہ طاری ہو جائے تو وہ دراصل اس باطنی انقلاب کا اثر ہے۔ چنانچہ امیر خسرو رحمہ اللہ کو حضرت نے اسی سلوک بالقرآن پر لگا دیا تھا، وہ راتوں کو اٹھ کر تہجد میں سات پارے پڑھتے تھے۔

ایک روز حضرت نے پوچھا: "ترک! حال مشغولیہا چیست" (آج کل معمولات کا کیا حال ہے؟) انہوں نے جواب دیا: "مخدوما! چند گاہ ست کہ بوقت آخر شب گریہ مستولی می شود" (چند دنوں سے قرآن پڑھتے ہوئے آخرِ شب میں رونا آنے لگتا ہے) تو حضرت نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "الحمد للہ اندکے ظاہر شدن گرفت" (الحمد للہ! وصول کے کچھ آثار ظاہر ہونے لگے ہیں)

غرض سلطان المشائخ رحمہ اللہ سلوک بالقرآن پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کو قرآن کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کے بس میں ہوتا تو ہر مرید پر حفظ قرآن لازم قرار دے دیتے۔ خیال تو کیجیے کہ حسن اعلائے سنجری رحمہ اللہ جو شاعر ہونے کے علاوہ ایک بڑے فوجی افسر تھے، ان کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ جب وہ شرفِ بیعت سے سرفراز ہوئے تو حضرت نے حکم دیا کہ ذوقِ شعری کو کم کر کے قرآنی ذوق کو اپنے اوپر غالب کریں جب ان پر یہ ذوق غالب ہو گیا تو پھر ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سن رسیدہ مرید کو بھی آپ نے حفظِ قرآن میں لگا دیا تھا۔ (فوائد الفواد: صفحہ 93 بحوالہ تذکرہ قاریانِ ہند)

فَائِدَة: آج کل جب کہ بہت سی خانقاہیں دوکانوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اور اصلاح وتزکیہ کا درد رکھنے والے دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں اور ہر کسی کو اللہ والوں کی

ان کے لیے مسجدیں، خانقاہیں اور دارالعلوم تعمیر کیے جاتے۔ اس علم اور علماء دوستی کی مثال قاضی شہاب الدین جونپوری رحمہ اللہ کا واقعہ ہے جو سلطان ابراہیم شرقی کے عہد حکومت میں دارالعلوم جونپور کے صدر مدرّس تھے۔ بادشاہ ان کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ وہ ایک دفعہ علیل ہوئے تو ان کی عیادت کو گیا اور سرہانے بیٹھ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ! ایسے عالم بار بار پیدا نہیں ہوتے، ان کی آفت مجھ پر آجائے مگر یہ زندہ سلامت رہیں۔ کہتے ہیں کہ قاضی صاحب اچھے ہو گئے اور اسی سال ۸۴۰ھ میں سلطان کا انتقال ہو گیا۔ قاضی صاحب کو بادشاہ کی وفات کا سخت صدمہ ہوا اور وہ بھی اسی سال چل بسے۔

اس علم دوستی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ظلمت کدہ ہند ایک گوشہ سے دوسرے گوشے تک قرآن کریم کی تعلیمات اور تلاوت سے گونج اٹھا۔ حفظ وقرأت کا ایسا چرچا ہوا کہ صرف ایک بادشاہ محمود خلجی کے عہد میں شاہی محل میں ایک ہزار خادمات حافظہ وقاریہ تھیں۔ جب خادمات کا یہ حال تھا تو پھر شاہی بیگمات اور امراء کے خاندانوں کے حال کا اندازہ خود کیا جاسکتا ہے۔

فَائِدَۃ: ان تاریخی حقائق سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو قرآن کریم کے حافظوں، قاریوں اور معلموں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جو لوگ اہل قرآن کو محبت اور عظمت کی نظر سے دیکھیں گے اللہ تعالیٰ ان کے اپنے گھروں کو قرآن کریم کی مبارک آوازوں سے معطر اور منور فرمادے گا اور خدامِ قرآن کو حقیر سمجھنے والے قرآن کے فیوض وبرکات سے محروم رہیں گے بلکہ عین ممکن ہے کہ ان کی نحوست ان کی اولاد پر بھی پڑ جائے۔

ہمارا اپیل:

قرآن کریم پڑھنے پڑھانے والوں کی خدمت اور محبت کے فوائد کے ذکر سے

مجھے (شیخوپوری کو) ایک واقعہ یاد آرہا ہے جو کہ میں نے بعض اہل علم سے سنا ہے۔ کسی گاؤں میں ایک قرآنی مدرسہ تھا اور جیسا کہ پرانے دیہاتی مدارس میں رواج تھا کہ طلبہ کا کھانا گاؤں میں رہنے والے بعض خوشحال لوگوں کے گھر سے آتا تھا۔ اس مدرسہ میں بھی ایسے ہی تھا لیکن بجائے اس کے کہ طلبہ خود کھانا اکٹھا کرنے کے لیے جاتے، یہ بھاری ذمہ داری ایک سیدھے سادھے شخص نے اپنے اوپر لے لی تھی وہ گھر گھر جاتا اور طلبہ کے لئے کھانا جمع کر کے لے آتا چونکہ بچپن کی وجہ سے طلبہ کی عادت مذاق کی ہوتی ہے اپنی اسی عادت کی بناء پر انہوں نے مذاقاً اپنے محسن کا نام بیل رکھا ہوا تھا اسے جب علم ہوا تو اسے بڑا رنج ہوا کہ میں ان کی بے لوث خدمت کرتا ہوں اور یہ مجھے بیل کہتے ہیں چنانچہ اس نے ان کے لئے کھانا جمع کرنے کا کام چھوڑ دیا۔ اس دن طلبہ بھوکے سو گئے وہ رات کو سویا تو دیکھا کہ حشر کا میدان ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے، کسی کو کسی کی پرواہ نہیں، لوگ پلِ صراط سے گذر رہے ہیں ان میں سے مدرسے کے وہ معصوم طلبہ بھی ہیں۔ یہ خادم بڑی حسرت سے انہیں پلِ صراط سے گذرتے ہوئے دیکھ رہا ہے، اچانک ان میں سے ایک طالب علم کی نظر اس پر پڑ گئی اس نے چیخ کر سب ساتھیوں کو روک لیا کہ ارے! ہمارا بیل تو پیچھے رہ گیا ٹھہرو اسے بھی ساتھ لے چلیں۔ اس کی آنکھ کھلی تو بھاگتے ہوئے مدرسے پہنچا اور طلبہ سے معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا: "بیٹا تم مجھے بیل کہو یا کچھ اور کہو میں جب تک زندہ ہوں تمہاری خدمت کرتا رہوں گا۔"

غبارِ دل:

ناصر الدین محمود کے متعلق یہ تو سب جانتے ہیں کہ بڑا رحم دل، نیک مزاج، زاہد، متقی اور پرہیزگار بادشاہ تھا مگر کتنے لوگ واقف ہیں کہ وہ اچھا قاری، بڑا اچھا خطاط اور رسم الخط قرآنی کا ماہر تھا۔ وہ فرصت کے اوقات میں تلاوت کرتا اور سال میں دو

قرآن مجید لکھ کر فروخت کرتا اور اس کی آمدنی سے گذر بسر کرتا۔

مورخین ایک واقعہ اس کی مروت اور خوش خلقی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ بیٹھا قرآن مجید لکھ رہا تھا ایک درباری امیر کسی کام سے آ گیا اس کو اندر بلایا جو لکھ رہا تھا اس کو ایک طرف رکھ دیا اور امیر سے گفتگو شروع کی، اثنائے گفتگو میں درباری کی نگاہ اس کتاب پر پڑی جہاں دو ''فیہ'' یکے بعد دیگرے لکھے ہوئے تھے (ملاحظہ ہو سورۂ توبہ آیت 108) درباری یہ سمجھا کہ کتابت کی غلطی سے ایک لفظ دو بار لکھ دیا گیا ہے۔ عرض کیا کہ اگر گستاخی نہ سمجھی جائے تو ایک فیہ سہو کتابت سے زائد لکھ دی گئی ہے۔ بادشاہ نے اس پر حلقہ بنا لیا، اس درباری کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں اس کو کتابت کر لوں گا۔ اس کے بعد دوسری باتیں ہوئیں اور درباری رخصت ہو گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حلقہ مٹا دیا ایک ذہین ملازم نے جو یہ گفتگو سن رہا تھا، عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضور نے درست کئے بغیر حلقہ مٹا دیا، بادشاہ نے ہنس کر کہا کہ میں نے جو لکھا تھا وہی درست تھا مگر میں نے اس درباری کی دل شکنی نہیں کرنی چاہی اگر میں اسے قائل کرتا تو وہ شرمندہ اور پریشان ہو کر اپنا مدعا کہے بغیر چلا جاتا۔ اس لیے اس کی خاطر میں نے حلقہ بنا لیا تھا اس کے بعد بادشاہ نے جو بات کہی وہ سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اس نے کہا: ''غبارِ دل دور کرنے کی بہ نسبت کاغذ کے نقوش مٹانا بہت آسان ہے۔'' (تاریخ محمد قاسم فرشتہ بحوالہ تذکرہ قاریانِ ہند: 1/101)

جیسا درخت ویسا پھل:

مخدوم بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ جید عالم، خوش آواز مقرر، خوش بیان مفسر اور متبحر محدث ہونے کے ساتھ وسیع کاروبار اور جائیداد کے مالک تھے۔ ملتان میں آپ

کے قائم کردہ مدرسہ عالیہ کو پورے ہندوستان میں مرکزی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں حصول علم کے لیے آنے والے طلبہ اور معلمین و اساتذہ کے اخراجات آپ تنہا برداشت کرتے تھے اور روایتی چندہ بازی سے قطعی اجتناب فرماتے تھے۔ دولت وجائیداد اور مدرسہ اور خانقاہ میں تعلیم وارشاد کی ذمہ داری کے باوجود آپ کتاب مقدس کے حق سے غافل نہیں رہتے تھے بلکہ آپ کو اصل سکون اشتغال بالقرآن ہی میں ملتا تھا۔ عشاء کے بعد شب میں دو رکعت کے قیام میں کبھی ایک اور کبھی دو قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ تہجد کی نماز کے بعد ہمیشہ تلاوت کے لئے بیٹھ جاتے اور صبح کی نماز کے وقت قرآن ختم کر کے اٹھتے۔ رمضان میں آپ نے ایک مرتبہ عشاء کے بعد فرمایا:

''میرا دوست وہ ہے جو تمام رات میں دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں ایک قرآن پڑھے جو میں خود برسوں پڑھتا رہا ہوں۔''

یہ فرما کر آپ خود نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور دو رکعتوں میں نہ صرف دو قرآن مجید ختم کیے بلکہ چار پارے اور پڑھے۔

حضرت مخدوم رحمہ اللہ کے سات فرزند تھے اور سب علم و فضل سے آراستہ تھے ان میں سے ایک صدر الدین عارف رحمہ اللہ بھی تھے جن کا یہ حال تھا کہ ان کی راتیں تلاوت وعبادت میں گزرتی تھیں انہوں نے سالہا سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ آپ کی ایک کرامت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جس کو قرآن شریف پڑھاتے وہ جلدی حافظ ہو جاتا تھا چنانچہ آپ کا سات سال کا بچہ کئی کئی پارے حفظ کر لیتا تھا۔

حضرت صدر الدین عارف رحمہ اللہ کی اہلیہ بی بی راستی بھی حافظہ اور قاریہ تھیں روزانہ ایک قرآن ختم کرتی تھیں۔ ان کی گود میں پرورش پانے والے بچوں کا بھی یہی

حال تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ دورانِ حمل اور زمانہ رضاعت میں قرآن کی تلاوت کرتی تھیں۔ان معصوم بچوں کے کانوں نے گالیوں اور گانوں کے بجائے قرآن کریم کی مبارک آیات سنی تھیں۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمہ اللہ اور ان کی اولاد واحفاد کے تدین وتقوی اور اشتغال بالقرآن کی وجہ سے عوام میں بھی خدا طلبی کا بڑا ذوق شوق پیدا ہوگیا۔ملتان میں یہ حالت بتائی جاتی تھی کہ گھروں کی بیویاں تو ایک طرف، کنیزیں اور خادمائیں تک چکی پیستے وقت ذکر الٰہی کرتی رہتی تھیں، ہر طرف سے اللہ اللہ اور قرآن کی صدائیں آتی تھیں۔

حضرت کی خانقاہ حفاظ اور قراء سے بھی بھری رہتی تھی۔آپ ان میں شب بیداری اور تلاوت سے شغف پیدا کرنے کے لئے بڑے مؤثر طریقے استعمال کرتے تھے۔

فائدہ: انسانوں کی طبیعتیں، حالات، مجبوریاں، کمزوریاں، صلاحیتیں، اعذار اور ذوقی میلانات مختلف ہیں اس لیے سارے انسان علم وعبادت اور مجاہدہ وریاضت میں برابر نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بعض مخصوص بندوں کی زندگی اور اوقات میں ایسی برکت دے دیتا ہے کہ وہ کام جو عام لوگ مہینوں اور سالوں میں کرپاتے ہیں وہی کام یہ لوگ دنوں اور ہفتوں میں کرلیتے ہیں اس لئے ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہر کوئی شب بھر میں ایک یا دو قرآن ختم کرلے۔پھر یہ بھی مناسب نہیں کہ بیوی بچے اور والدین کے حقوق سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم صرف عبادت اور تلاوت میں لگ جائیں ایسا کرنے سے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بہت عبادت گذار صحابی تھے یہاں تک کہ پوری

رات عبادت ہی میں گذر جاتی تھی جس کی وجہ سے بیوی کے حقوق متاثر ہوتے تھے، نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی گئی تو آپ نے انہیں بلا کر تنبیہ فرمائی۔

اصل تو یہی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے حالات کے مطابق عبادت و تلاوت کے لیے وقت نکالنا چاہیے، ظاہر کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ باطن کے تقاضوں کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے، باطن کی دنیا آباد ہوگی تو ہمارے گھر آباد ہوں گے اگر باطن کی دنیا ویران ہوگئی تو ظاہری آبادی کے باوجود ہمارے گھر ویرانی کا نمونہ پیش کریں گے۔ سکون، محبت اور ایثار عنقا ہو جائے گا......اور باطن کی دنیا ذکر و تلاوت کے بغیر آباد نہیں ہوسکتی۔

حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا یہ پہلو بھی باعثِ عبرت ہے کہ مال و جائیداد کی کثرت ان کی عبادت و ریاضت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرسکی بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دولت کو انہوں نے دولت علم اور نعمت قرآن تقسیم کرنے میں لگا دیا جس کی وجہ سے آپ کے مدرسہ اور خانقاہ کا فیض ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، ایران، عراق و دمشق اور حجاز تک جا پہنچا۔

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ نے اپنے متعلقین کو جو پروگرام دیا تھا وہ یہ تھا کہ ہر انسان کو پہلے علم سیکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ سیاحت و سفر سے کاملین کی خدمت کرنی چاہیے۔ متاہلانہ زندگی اور اولاد کی تربیت کے ساتھ ساتھ خلق خدا کی خدمت کرنی چاہیے پھر طلبہ کو تیار کر کے ان سے کام لینا چاہیے۔

یہ پروگرام آج بھی اسی طرح نافع اور سودمند ہے جیسے ساتویں صدی میں سودمند تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ آج بزرگوں کے وارثوں نے ان کے اصلاحی پروگرام کو بھلا دیا اور ان کی قبروں کو کاروباری اڈے بنا دیا۔ (حضرت کی وفات 88 سال کی عمر میں

۶۶۱ھ میں ہوئی)

چار چیزیں:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ ۵۳۵ھ میں ''سنجر'' کے مقام پر پیدا ہوئے۔ قرآن کریم کے حافظ اور قاری تھے، بڑے جفاکش اور صاحبِ مجاہدات بزرگ تھے۔ دن میں روزہ رکھتے اور ہر روز دو قرآن ختم کرتے۔

خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں دس سال حضرت کی خدمت میں رہا میں نے کبھی حضرت کو خفا ہوتے نہیں دیکھا۔ حضرت چار چیزوں کو بڑی اہمیت دیتے تھے:

1. نماز
2. تلاوتِ قرآن
3. صحبت صالحین
4. خدمتِ خلق

آپ فرمایا کرتے تھے: جو شخص (دیکھ کر) قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کو چار چیزیں ملتی ہیں:

1. اس کے نامۂ اعمال میں دو ثواب لکھے جاتے ہیں۔
2. دس برائیاں دور ہوتی ہیں۔
3. آنکھ کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔
4. وہ آنکھ کبھی دنیا کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتی۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ ۵۸۲ھ میں ترکستان میں پیدا ہوئے ڈھائی سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ آپ کی والدہ بڑی نیک اور عبادت گذار خاتون تھیں۔ انہیں نصف قرآن حفظ تھا۔ تلاوت کے وقت بچے کو پاس بٹھا لیتیں۔ اس سے حضرت کو قرآن شریف سے خاص مناسبت ہو گئی۔ بسم اللہ کے بعد قرآن شریف قاضی

حمید الدین ناگوری سے پڑھنا شروع کیا اور بہت جلد حافظ ہو گئے، تلاوت سے خاص شغف رہا۔ جب آیاتِ خوف و ہراس پر پہنچتے تو روتے روتے بے ہوش ہو جاتے۔ جب آیاتِ رحمت پڑھتے تو تبسم فرماتے اور وجد کرنے لگتے۔ دن رات میں دو قرآن شریف ختم فرماتے۔ سلطان التمش آپ کا مرید اور خلیفہ تھا۔ دربار کے دوسرے بہت سے امراء بھی آپ کے مرید ہو گئے آپ نے سب کو تلاوت و عبادت میں لگا دیا جس سے ان کی زندگی بدل کر رہ گئی۔

سلطان التمش کا یہ حال ہو گیا کہ وہ ظاہر میں تو بادشاہ تھا مگر وہ دل درویشوں کا رکھتا تھا۔ اس کا طریقہ تھا کہ کم کھاتا، کم سوتا اور تہجد فوت نہ ہونے دیتا۔

حضرت بختیار کاکی رحمہ اللہ کسی کے تحفے تحائف قبول نہ فرماتے گھر میں کچھ نہ ہوتا تو آپ اہل و عیال اور خدام کے ساتھ بھوکے رہتے مگر اس حالت میں بھی تلاوت جاری رہتی۔ (راحت القلوب)

ایک بار کسی نے یہ شعر پڑھ دیا:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جان دیگر است

"جو لوگ خنجرِ تسلیم سے قتل ہو جاتے ہیں یعنی کامل طور پر اللہ کے حکموں اور رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں انہیں ہر وقت غیب سے نئی جان عطا کی جاتی ہے۔"

شعر سن کر آپ کو وجد آ گیا تین روز تک وجد کی کیفیت طاری رہی اور اسی میں انتقال ہو گیا۔

فائدہ: وہ لوگ کتنے ظالم ہیں جنہوں نے ان اولیاء کرام کو عرسوں، قوالیوں اور نذر نیاز کے پیر مشہور کر رکھا ہے حالانکہ وہ قرآن و حدیث کے عالم بھی تھے اور عامل بھی

تھے۔قرآن ان کی زندگیوں میں چلتا پھرتا دکھائی دیتا تھا۔ان پر یہ شعر صادق آتا تھا:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مسلم
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی:

بابا شیخ فرید گنج شکر رحمہ اللہ کی علمی اور عملی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ نے خلافت عطا فرمادی تھی۔آپ نے بچپن ہی میں تجوید سے قرآن مجید پڑھنا سیکھ لیا تھا۔بڑی فصاحت سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔قرأت کا دلکش انداز ہر کسی کو متاثر کرتا تھا۔آپ کی خانقاہ حفاظ وقراء سے بھری رہتی تھی۔اکثر طالبین اور سالکین کو سلوک بالقرآن پر لگادیتے تھے۔بابا صاحب کے شغف قرآنی کی یہ حالت تھی کہ پچانوے (95) سال کی عمر میں بھی تراویح میں کھڑے ہوکر قرآن سنتے رہے جب کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر سننے لگے۔ہر مرید کو قرآن شریف حفظ کرنے اور تجوید سیکھنے کی تاکید فرماتے رہتے۔حفظ قرآن آسان ہونے کے لئے ایک تدبیر بھی بتاتے تھے کہ پہلے "سورۂ یوسف" کو یاد کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے پورا حافظ بنادے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ: تلاوت سے بہتر اور افضل کوئی عبادت نہیں۔کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

فائدہ: ان حضرات کے طرز تربیت میں ان مشائخ کے لیے بھی عبرت کا بڑا سامان ہے جو اپنے مریدین کو ذکر کی تلقین تو کرتے ہیں مگر تلاوت کی تلقین نہیں کرتے حالانکہ تلاوت سے بڑا کوئی ذکر نہیں۔اس کی تاثیر دائمی ہے اور اسے سمجھ کر پڑھنے سے نفس کا تزکیہ بھی ہوجاتا ہے اور گناہ بھی خود بخود چھوٹ جاتے ہیں۔

کتنی شرم کی بات ہے کہ جن بزرگوں نے قرآن کو بہشتی دروازہ قرار دیا تھا ہم نے ان کے نام پرلوہے اور لکڑی کے دروازے بنالیے اور کم عقل مریدوں کے ذہنوں میں یہ بٹھادیا کہ خواہ کوئی کتنا ہی بے عمل اور بدعمل کیوں نہ ہو جو بھی اس دروازے سے ایک بار گذر جائے گا وہ سیدھا بہشت میں جائے گا۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا گیا ہے:

قبروں پر مریدوں کو جھکاتے رہیے
ڈھولک پہ سفیوں کو نچاتے رہیے
اللہ اگر روٹھ رہا ہے روٹھے
کیا اس سے غرض عرس مناتے رہیے

حساس اور باوفا بیٹا:

سنہ ۸۶۳ھ سے ۹۱۹ھ تک گجرات پر محمود بیگڑے کی حکومت رہی اس کا دورِ حکومت گجرات میں علوم وفنون کی ترقی کا دور ثابت ہوا۔

ایک دفعہ ۲۶ رمضان المبارک کی شب محمود بیگڑا علماء اور امراء کی صحبت میں بیٹھا تھا۔ قرآن مجید کے پڑھنے کی عظمت کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک بزرگ نے کہا قیامت کے دن سورج کے قریب آجانے کی وجہ سے سب لوگ پریشان ہوں گے جو شخص کلام ربانی کا حافظ ہوگا اس کے اسلاف اور اقارب نورِ رحمت کے چتر کے زیرِ سایہ ہوں گے۔ ان پر حرارت اثر نہیں کرے گی۔ سلطان نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ افسوس! ہمارے بیٹوں میں سے کوئی بھی یہ سعادت حاصل نہ کرسکا کہ میں بھی اس کرامت کا امیدوار ہوتا۔

اس مجلس میں محمود کا بیٹا خلیل خان بھی موجود تھا۔ عید کے بعد وہ بڑودہ چلا گیا جہاں ان کی جاگیر تھی اور وہاں جا کر کلام اللہ کے حفظ میں مشغول ہوگیا۔ اس قدر محنت کی کہ

آنکھوں میں سرخی آگئی۔ طبیب نے کہا شب بیداری اور کثرتِ تلاوت سے یہ چیز پیدا ہوئی ہے۔ چند روز تلاوت کم کر کے آرام فرمائیں تو یہ سرخی زائل ہو جائے گی خلیل خان نے کہا آنکھیں سرخ ہوگئیں تو کیا مضائقہ ہے یہ دنیا اور آخرت کی سرخروئی دلوائیں گی میں اپنی پڑھائی میں کمی نہیں کرسکتا۔ غرضیکہ اپنی دنیا والی ذمہ داریاں نبھانے کے ساتھ اس نے شب و روز کی محنت سے ایک سال اور چند ماہ میں پورا قرآن ختم کرلیا اور یوں ایک باوفا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا۔ رمضان سے پہلے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ حکم ہو تو میں تراویح میں قرآن سناؤں؟ سلطان نے تعجب سے پوچھا کہ تم کب حافظ ہوگئے؟ تو شہزادے نے دو سال قبل کا واقعہ دہرایا اور کہا اس وقت یہ کام شروع کردیا تھا۔ سلطان یہ سن کر بے انتہا خوش ہوا۔ خلیل خاں نے چاند رات کو شروع کیا اور اسی روز پورا قرآن شریف سنا دیا۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے روز پورا پورا قرآن شریف سناتا گیا۔ یہاں تک کہ سولہ تراویح میں سولہ ختم کیئے۔ سلطان ہر روز سنتا رہا۔ سولہویں روز گلے سے لگا کر شہزادے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور بڑی دیر تک دعائیں دیں پھر کہا کہ خلیل خان کا کیسے شکریہ ادا کروں اور کیا بدلہ دوں کہ اس نے مجھے اور میرے اسلاف کو روز قیامت کی تمازت سے بچالیا۔ یہ کہہ کر خلیل خان کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا اور خود دوسری جگہ جا بیٹھا۔

فائدہ: خلیل خان کی زندگی میں ہمارے لیے عبرت اور نصیحت کے کئی پہلو ہیں: وہ شہزادہ تھا، ناز و نعم میں پلا ہوا۔ فارغ بھی نہیں تھا بلکہ ایک بڑی جاگیر اور علاقے کی ذمہ داری اس کے سر تھی۔ قرآن کریم کا حفظ کرنا اس کی مجبوری بھی نہیں تھی۔ محض والد کے شوق اور حسرت کو پورا کرنے کے لیے اس نے حفظ قرآن کا عزم کرلیا اور پھر اس عزم کو پورا کر کے ہی چھوڑا اور وہ بھی بہت مختصر مدت میں، لیکن مختصر مدت میں یاد کرنے

کے باوجود حفظ میں ایسی پختگی تھی کہ تراویح میں ہر روز پورا قرآن ختم کر لیتا تھا۔
وفادار اولاد ایسا ہی کرتی ہے وہ ایسا عمل کرتی ہے جس سے والدین کو دنیا میں بھی عزت ملے اور آخرت میں بھی وہ سرخرو ہوں۔

خوفِ خدا بھی خدمتِ خلق بھی:

خلیل خان محض حافظِ قرآن ہی نہ تھا عامل بالقرآن بھی تھا۔ اپنے والد کے بعد وہی تخت نشین ہوا۔ عملی زندگی کا حال یہ تھا کہ فرائض و واجبات تو کیا سنن اور مستحبات بھی ترک نہیں کرتا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہتا، اپنے عمل کا مدار حدیث نبوی ﷺ پر رکھتا۔ ایک دفعہ اس کی سواری کے گھوڑے کے پیٹ میں درد ہوا، جب کسی دوا سے اچھا نہ ہوا تو معالج نے اس کو تھوڑی سی شراب پلا دی جس سے وہ اچھا ہو گیا۔ سلطان کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اس گھوڑے کی سواری چھوڑ دی۔ سلطان خلیل خان قرآن کریم کی تلاوت بہت کیا کرتا تھا۔ ایک روز احوالِ قیامت کی آیت پر بہت رویا ایک عالم دین نے تسلی دی کہ آپ زاہد و عابد ہیں آپ کو زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ سلطان نے جواب دیا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "نَجَا الْمُخْفِضُوْنَ وَهَلَكَ الْمُثْقِلُوْنَ." (ہلکے پھلکے لوگ نجات پا گئے اور گراں بار ہلاک ہو گئے) اس لیے روتا ہوں۔

یہ بادشاہ راتوں کو رعایا کے حالات دریافت کرنے نکل جاتا اور ضرورت مندوں کو پاتا تو ان کی حاجت روائی کرتا۔

مبارک خاتمہ:

اللہ کا یہ بندہ جس نے بادشاہت ملنے کے باوجود آدابِ زندگی فراموش نہیں کیے تھے اور ساری زندگی قرآن پڑھتے ہوئے گذاری تھی اس کا خاتمہ بھی بڑا مبارک ہوا۔

وہ کافی عرصہ سے بیمار تھا جمعہ کے دن جب درباری عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو وہ دیر تک ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا رہا پھر اس نے یہ آیت کریمہ پڑھی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے:

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝١٠١﴾

(سورة يوسف)

تَرجَمَة: ''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت بھی دی۔ اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے خالق! تو ہی میرا کارساز دنیا اور آخرت میں ہے مجھے دنیا سے اپنا فرماں بردار اٹھا اور مجھے صالحین میں جاملا۔''

پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑے ملک کی سلطنت دی، ہر قسم کی نعمت عطا کی اور ہر طرح سے نوازا۔ میں ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے مسلمان مارے اور نیکوں میں شامل کرے۔ اب تم لوگ جاؤ اور جمعہ کی تیاری کرو۔ میں بھی یہاں ظہر ادا کرتا ہوں اور عصر تو کہیں اور ہوگی یہ کہہ کر عبادت میں مشغول ہوگیا۔ ظہر اور عصر کے درمیان انتقال ہوگیا۔

فَائِدَة: کس قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ پاک دنیا کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور وہ اللہ کو فراموش نہیں کرتے۔ دنیا کے دھندے اور کاروبار انہیں ذکر وتلاوت سے غافل نہیں کرتے۔ وہ خوفِ خدا بھی رکھتے ہیں اور خدمتِ خلق بھی کرتے ہیں۔

عزیمت:

شیخ ابراہیم شطاری رحمۃ اللہ سندھ کے رہنے والے تھے۔تجوید پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا۔دل گداز آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے جس سے سننے والوں کو عجیب لذت اور کیف حاصل ہوتا تھا، اہل طلب کو تجوید سکھاتے تھے۔آپ شیخ شکر محمد کے خلیفہ تھے جو کہ خود بھی ایک باکمال شخصیت تھے لیکن فضل وکمال کے باوجود انہوں نے اپنے خدمت گار مرید سے تجوید سیکھی۔

شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ وقت کے باکمال قاری اور مقری ہونے کے باوجود جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنے سر پر رکھ کر لاتے اور بیچتے اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا اس سے اپنے اور اپنے شیخ کی خانقاہ کے مصارف پورے کرتے۔انہی دنوں برہان پور کے بادشاہ نے آپ سے درخواست کی کہ شاہی خاندان کی خواتین آپ سے اصول تجوید سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں اگر اس ذمہ داری کو قبول فرمالیں تو نوازش ہوگی لیکن آپ نے یہ پیشکش قبول نہ فرمائی۔عزیمت پر کاربند رہے اور بڑھاپے کے باوجود اپنی محنتِ شاقہ جاری رکھی۔زندگی بھر نہایت سادہ، بے تکلف، متواضع اور متوکلانہ گذر بسر کی۔

فائدہ: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو دنیا کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔ان کے سامنے ہمیشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان رہتا تھا کہ جو شخص دنیا کمانے کے لیے علمِ دین حاصل کرے گا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

ان لوگوں کی زندگی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت کا بڑا سامان ہے جو مادی منفعت کے بغیر چند آیات سکھانے کے لیے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔

آج کوئی سوچ بھی سکتا ہے کہ وقت کے شیوخ اور علماء کا استاد اور بہترین قاری جنگل سے لکڑیاں سر پر اٹھا کر لائے اور گذر بسر کرے۔

مشغولیت بہ خدا:

سید عنایت اللہ شاہ بالا پوری رحمہ اللہ کو تجوید و قرأت سے بے حد شغف تھا۔ رسم الخط قرآن شریف اپنے ہاتھ سے لکھے۔ قاری بھی تھے اور صوفی بھی، معلم بھی تھے اور شیخ بھی۔ اتباع سنت کے بڑے پابند تھے۔ نماز باجماعت کبھی قضا نہ کی۔ مرنے سے پہلے جب اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو گئے تو تیمم سے نماز ادا کی۔ فرزندوں اور مریدوں کو بلا کر کہا کہ تلقین و تعلیم ہی میں عمر گذری اب آخری وقت ہے۔ سب بیٹھ کر تھوڑا تھوڑا قرآن شریف بلند آواز سے پڑھیں۔ مجھ پر ایک سفید چادر سر سے پاؤں تک ڈال دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا پھر آپ نے فرمایا کہ تلاوت شروع کرو۔

''من بہ خدائے خود مشغول می شوم''

''میں اپنے اللہ کے ساتھ مشغول ہوتا ہوں۔''

چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق سب قراء باری باری سے تلاوت کرتے گئے، تھوڑی دیر کے بعد چادر پر ایک ہلکی سی حرکت محسوس ہوئی اور پھر سکوت چھا گیا۔ دیکھا تو جان بحق تسلیم کر چکے تھے۔

فائدہ: قرآن کریم کے سچے خادموں کی زندگی بھی قرآن سنتے سناتے گذرتی ہے اور انہیں موت بھی اسی حالت میں آتی ہے اور جن بدنصیبوں کی زندگی گالی گلوچ اور اول فول بکنے میں گذرتی ہے ان کا خاتمہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است:

حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے دادا شاہ وجیہ الدین رحمہ اللہ بڑے صاحب

تقوی بزرگ تھے۔ آپ کو قرآن مجید سے خاص شغف تھا۔ عالمگیر کی فوج میں ملازم تھے اور فوجی زندگی کے عادی تھے۔ اس کے باوجود تہجد میں قرآن پڑھتے۔ تہجد کے بعد روزانہ کئی پارے سوز و گداز سے پڑھنے کا معمول تھا۔ ایک رات تہجد کے بعد تلاوت فرما رہے تھے کہ ڈاکوؤں کا حملہ ہوا اور شہید ہو گئے۔

اللہ پاک کو ان کا اپنے کلام پاک کے ساتھ عشق اور لگاؤ پسند آ گیا اور اس نے کئی نسلوں تک ان کے خاندان کو قرآن کریم کی خدمت کے لیے قبول فرمالیا۔ ان کے بیٹے شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ تجوید و قرأت اور تفسیر و حدیث کے بڑے عالم تھے۔ دہلی میں آپ کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ نے قرآن کریم کے انوار دور دور تک پھیلا دیئے۔

شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ کے بعد آپ کی مسند کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے سنبھالا اور زندگی خدمتِ قرآن کے لیے وقف کر دی۔ آپ زندگی بھر تحریر و تقریر سے علوم قرآنیہ کی اشاعت کرتے رہے۔

۱۱۷۶ھ میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے چار بیٹوں یعنی: شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد الغنی رحمہم اللہ کو رب تعالیٰ نے قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر اور نشر و اشاعت کے لئے قبول فرمالیا۔

شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ کی وفات کے بعد قاری شاہ مخصوص اللہ رحمہ اللہ اور شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے اپنے اپنے والد کے فیوض کا سلسلہ جاری رکھا۔

شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے بالاکوٹ کی سرزمین میں مظلومانہ شہادت پائی۔ یوں دہلی سے خدمت قرآن اور شہادت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ خدمتِ قرآن اور شہادت پر ہی بالاکوٹ میں اختتام پذیر ہوا۔ صرف برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا

میں جہاں کہیں فارسی اور اردو زبان بولنے والے رہتے ہیں وہ قرآنی خدمات کے حوالے سے ولی اللّٰہی خاندان کے احسانات کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور اردو میں جب بھی جہاں کہیں کوئی صاحبِ علم تفسیرِ قرآن کے سلسلہ میں قلم اٹھائے گا وہ ولی اللّٰہی خاندان کی تصانیف اور تفاسیر سے مستغنی نہیں ہو سکے گا۔

آج تک اردو میں جتنی بھی تفاسیر اور تراجمِ قرآن لکھے گئے ہیں یہ سب اسی مبارک خاندان کے چشمہ فیض کا نتیجہ ہیں۔ کتنے ظالم اور بے وفا ہیں وہ لوگ جو اسی خاندان پر تبرا کرتے اور ان پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ خود یہ مخالفین بھی جب شاہ اسماعیل کا نام لیتے ہیں تو ان کے نام کے ساتھ ''شاہ'' اور ''شہید'' کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اس لئے کہ اگر وہ ''شاہ'' اور ''شہید'' نہ کہیں تو کوئی نہیں سمجھ پاتا کہ کون سے اسماعیل رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ شاید اسی کو کہتے ہیں ''جادو وہ جو کہ سر چڑھ کر بولے۔''

وجد آفریں تلاوت:

حافظ قاری سید عبداللہ رحمہ اللہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ قرآن کریم کے حافظ اور سبعہ کے قاری تھے، ان کی تلاوت بڑی وجد آفریں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ آنکھیں بند کیے ایک درخت کے نیچے تلاوت میں مصروف تھے۔ درخت پر جو چڑیاں بیٹھی تھیں وہ نیچے گرنے لگیں۔ ''ماوراء النھر'' سے کچھ لوگ شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے آئے تھے وہ بھی وجد میں آکر بے ہوش ہو کر گر پڑے، فوراً حضرت بنوری رحمہ اللہ کو اطلاع دی گئی آپ یہ حال سن کر اس جگہ تشریف لے گئے اور فرمایا:

''حافظا بس کن'' (حافظ صاحب بس کرو)

اس پر آپ نے آنکھیں کھول دیں اور حضرت شیخ کو دیکھ کر فوراً کھڑے ہو گئے۔

اس واقعہ کا ذکر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "انفاس العارفین" میں بھی کیا ہے۔

(تذکرہ قاریان: صفحہ 197)

فائدہ: خارق عادت کے طور پر انبیاء کرام علیہم السلام سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اسے معجزہ اور اولیاء کرام علیہم السلام سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اسے کرامت کہتے ہیں۔ کرامتوں کا ظہور ولایت کی کوئی لازمی شرط نہیں، ولایت کی لازمی شرط تو صرف ایمان اور تقویٰ ہے۔ یوں تو ولی کے لئے اتباع سنت بھی ضروری ہے مگر جب تقویٰ ہوگا تو اتباع سنت خود بخود آجائے گی۔

حضرت قاری عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کی تلاوت سے وجد اور جذب کی جو صورت پیدا ہوئی ہم اسے ان کی اور قرآن کریم کی کرامت ہی کہیں گے اور ایسی کرامتیں جب اور جہاں اللہ کی مرضی ہوتی ہے وہ دکھا دیتا ہے۔

خدام قرآن کا حال یہ تھا:

شیخ القراء حافظ محدث عبدالرحمن انصاری پانی پتی رحمہ اللہ یگانہ روزگار انسان تھے۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ جیسے لوگوں کے نام آتے ہیں۔

قرآن سے والہانہ عشق، ہزاروں مردوں اور عورتوں کو آپ نے تجوید سے قرآن پڑھنا سکھایا۔ آپ نے اسی سال قرآن کریم کی خدمت وتلاوت میں گذارے، گویا قرآن حضرت کے رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا۔ اگر بالفرض سوتے سوتے بھی پڑھتے تو کسی ایک جگہ بھی متشابہ نہ لگتا اور تجوید وترتیل کے قواعد کے خلاف نہ ہوتا۔

حضرت کے معمولات اور مشاغل یہ تھے:

آدھی رات کو اٹھ کر تہجد ادا کرتے، پھر ذکر و شغل فرماتے، نماز فجر تک اسی میں مشغول رہتے۔ سردی کے موسم میں صبح صادق سے قبل ایک گھنٹہ تک قرأت سبعہ کا درس ہوتا، عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء تک بھی تدریس میں مصروف رہتے۔

جنانی اور مردانی:

عام لوگ قاری انہیں سمجھتے ہیں جو کانوں پر ہاتھ رکھ کر اور آواز کو توڑ مروڑ کر بڑے تکلف پڑھتے ہیں لیکن حضرت قاری عبدالرحمن صاحب رحمہ اللہ بالکل سادگی سے کلمات ادا فرماتے تھے اس لئے جاہل اور گنوار آپ کو قاری نہیں سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک گنوار نے آپ سے قرآن مجید سنانے کی فرمائش کی حضرت نے سنا دیا تو اس نے کہا:

''جیسا میں پڑھے ہوں ویسا ہی تو پڑھے ہے، میں مردانی بولی میں پڑھے ہوں تو جنانی (زنانی) بولی میں پڑھے ہے۔''

باہمی ادب واحترام:

قاری شیخ محمد میر لاہوری رحمہ اللہ نے قرآنی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے لاہور میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور رؤساء اور ارباب حکومت کے تعاون کے بغیر ہی اس مدرسے کو چلاتے رہے۔ جب جہانگیر لاہور گیا تو آپ کی تعریف اور شہرت سن کر آپ سے ملاقات کی اور آپ کی خدمت میں کچھ نذر پیش کرنی چاہی لیکن آپ نے قبول نہ کی۔ اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے ہرن کا ایک چمڑا لے لیا۔ پھر جب شاہ جہان لاہور گیا تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پچاس ہزار کی نذر پیش کی لیکن آپ نے قبول نہ کی اس نے اصرار کیا کہ اہل خانقاہ میں تقسیم فرما دیں تو جواب دیا کہ سلاطین کا مال مشکوک ہوتا ہے۔ خود نہیں لینا چاہتا تو دوسروں کے حوالے کیوں کر

دوں۔شاہ جہاں آپ کے پاس سے اٹھ کر ایک اور بزرگ کے پاس گیا اوران کو نذر پیش کی تو انہوں نے قبول کرلی۔شاہ جہاں دوسرے جمعہ کو قاری میاں میر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ نے تو نذر قبول نہ کی مگر فلاں بزرگ نے لے لی،فرمایا: وہ تو دریا ہیں اور میں کوزہ ہوں جس کا پانی ناخن گرنے سے بھی مکروہ ہو جاتا ہے۔شاہ جہاں نے دوسرے بزرگ سے جاکر پوچھا کہ یہ کیا بھید ہے کہ میر صاحب نے تو نذر نہیں لی اور آپ نے قبول کرلی؟ تو فرمایا کہ میاں میر کا تقویٰ مجھ سے بلند تر ہے۔(میں ان کے مقام تقویٰ تک کہاں پہنچ سکتا ہوں!!)

فَائِدَہ:لوگوں میں مشہور ہے کہ معاصرت اور رقابت کی بیماری سب سے زیادہ قاریوں میں پائی جاتی ہے کوئی بھی دوسرے کے مقام اور مرتبہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا لیکن یہ وہ قاری ہوں گے جن کے حلق سے نیچے قرآن نہیں اترتا مگر وہ مخلص اور خدارسیدہ قاری جن کے سینے قرآن کے نور سے منور ہوتے ہیں وہ تواضع اور انکساری کے چلتے پھرتے نمونے ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر سمجھتے ہیں اور دوسرے اہل کمال کا دل وجان سے احترام کرتے ہیں۔پھل دار شاخ ہمیشہ جھکی ہوتی ہے اور جو شاخ اٹھی ہوئی نظر آئے وہ پھل سے خالی ہوگی۔

کیسے کیسے بادشاہ:

اورنگ زیب عالمگیر 1068ھ میں تخت نشیں ہوئے۔وہ قرآن کریم کے حافظ، بہترین قاری اور قرآنی رسم الخط کے ماہر تھے،روزانہ قرآن شریف لکھنے کا معمول تھا۔ انہوں نے امورِ سلطنت بجالانے کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ سے کئی نسخے لکھے۔کہا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ قرآن کریم کی کتابت اور ٹوپیوں کی سلائی سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتا تھا۔94سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔

اس کی آرزو یہ تھی کہ جمعہ کے روز میرا انتقال ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ آرزو بھی پوری کردی۔ شدید تکلیف کے باوجود نہ صرف یہ کہ اس نے آخری نماز جماعت کے ساتھ ادا کی بلکہ معمول کے وظائف بھی پورے کرنے کی کوشش کی اسی دوران اس پر غشی طاری ہوگئی اس وقت بھی اس کے منہ سے کلمہ طیبہ جاری تھا اور انگلیاں تسبیح پر چل رہی تھیں۔

مرنے سے پہلے قرآن کریم کے اس حافظ قاری بادشاہ نے جو وصیتیں کیں ان میں چند ایک کا خلاصہ بطور عبرت کے درجِ ذیل ہے:

1. اس گناہ گار کو حضرت شیخ چشتی رحمہ اللہ کی قبر کے پاس دفن کیا جائے تا کہ گناہوں کے دریاؤں میں ڈوبے ہوئے کو کچھ فیض حاصل ہو۔
2. ٹوپیوں کی سلائی کے مبلغ چودہ روپے بارہ آنے جو عالیہ بیگم کے پاس جمع ہیں وہ ان سے لے کر مجھ بے چارے کے کفن میں صرف کریں اور جو مبلغ تین سو روپے قرآن کی لکھائی کے صرف خاص ہیں وہ انتقال کے دن محتاجوں کو دے دیں اس لئے کہ کلام مجید کی لکھائی کے معاوضہ میں حرمت کا شبہ ہے لہٰذا یہ روپیہ میرے کفن میں صرف نہ کیا جائے۔
3. اگر مزید ضرورت ہو تو بادشاہ عالی جاہ کے وکیل سے لے لیں کیونکہ اولاد میں یہی قریب ترین وارث ہیں، حلت وحرمت ان کے ذمہ ہے مجھ بے چارہ سے باز پرس نہیں ''مردہ بدست زندہ''
4. اس سرگشتہ بیابانِ گمراہی کو ننگے سر دفن کریں کیونکہ گناہ گار تباہ روز کو اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان دربار میں ننگے سر لے جانے سے نظر رحمت زیادہ ہوگی۔
5. میرے تابوت پر گاڑھے (یعنی گری) کی چادر (غلاف) ڈالیں اور امیروں کی

بدعات سے پرہیز کریں۔

فائدہ: اس واقعہ کے ذکر کرنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ہماری تاریخ میں ایسے ایسے بادشاہ بھی گذرے ہیں جو امورِ سلطنت بجالانے کے ساتھ ساتھ باجماعت نماز بھی ادا کرتے تھے، قرآن کریم کی تلاوت کا بھی ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے، وظائف واوراد کے پابند تھے اور خدمتِ خلق سے بھی غافل نہ تھے جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ معمولی مصرفیات میں تلاوت تو کیا فرض نماز تک بھول جاتے ہیں۔

طمع واشراف:

قاری سید محمد مبارک محدث بلگرامی رحمہ اللہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فرزند مولانا نورالحق رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ بلگرام سے دہلی جا کر مولانا نورالحق کے پاس قیام کیا، انہی سے تجوید وقراءت، حدیث وفقہ اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔ اس کی بعد بلگرام واپس آکر ساری زندگی محض اللہ کی رضا کے لیے پڑھاتے رہے۔ بعض اوقات فاقے کی نوبت آجاتی مگر کسی پر اس کا اظہار نہ فرماتے۔

مولانا طفیل احمد بلگرامی رحمہ اللہ جو ان کے لائق فائق تلامذہ میں سے تھے، اپنا چشم دید واقعہ اپنے استاد کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ مبارک صاحب ظہر تک پڑھانے کے بعد وضو کے لیے اٹھے مگر اچانک بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ تیزی سے دوڑ کر میں نے حضرت کو سنبھالا۔ گھنٹے بعد ہوش آیا۔ میں نے وجہ پوچھی پہلے تو آپ نے ٹالنا چاہا۔ جب اصرار کیا تو فرمایا کہ تین روز سے کچھ کھایا نہیں ہے۔ نقاہت کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی۔ یہ بات سن کر میرے آنسو نکل آئے۔ دل میں شرمندہ تھا کہ میرا استاد تین روز سے بھوکا رہ کر پڑھاتا رہا اور میں نے غفلت برتی۔ فوراً اٹھ کر گھر گیا اور جو کھانا استاد کو مرغوب تھا تیار کر کے لے آیا، اول تو اس کو دیکھ کر بڑی بشاشت کا

اظہار کیا اور دعائیں دیں اس کے بعد نرمی سے کہا کہ اگر بارِ خاطر نہ ہو تو ایک بات کہوں؟ میں نے کہا: فرمایئے۔ کہا کہ فقراء کی اصطلاح میں اس کو ''اشراف'' کہتے ہیں یعنی ایسا کھانا جس کی طمع نفس میں پیدا ہو جائے، تمہارے جاتے ہی میرے نفس نے اس کھانے کی امید قائم کر لی تھی، اگرچہ فقہاء اس کھانے کو جائز کہتے ہیں اور میں تو ویسے بھی مضطر ہوں اور اضطرار کی حالت میں مردار کا کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے مگر فقراء اور اہل اللہ ''طعامِ اشراف'' کو جائز قرار نہیں دیتے یعنی مخلوق سے توقع لگانے کے بعد جو چیز سامنے آئے اس کا قبول کرنا فقراء کے مسلک و مشرب کے منافی ہے لہٰذا میں اس کے کھانے سے معذرت چاہتا ہوں۔

میر طفیل استاد کے مزاج شناس تھے۔ کسی اصرار اور ردّ و قدح کے بغیر کھانا سامنے سے اٹھا کر لے گئے۔ اوٹ میں جا کر تھوڑی دیر ٹھہرے اور پھر کھانا استاد کے سامنے رکھتے ہوئے دریافت کیا کہ جب میں کھانا اٹھا کر لے گیا تھا تو کیا استاد کو توقع تھی کہ یہی کھانا دوبارہ ان کے سامنے پیش کیا جائے گا؟ مولانا نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر میر طفیل نے عرض کیا کہ چونکہ یہ کھانا غیر متوقع طور پر پیش کیا گیا ہے اس لئے ''طعام اشراف'' میں داخل نہیں لہٰذا بسم اللہ کیجئے اور تناول فرمایئے۔

شاگردِ سعید کے اس حسن تدبیر سے استاد خوش ہوئے اور ان کی ذہانت و فراست کی داد دی اور کھانا تناول فرمالیا۔

فَائِدَة: کیسے تھے وہ قراء اور علماء جو شدید بھوک کی حالت میں بھی کسی غیر کا نہیں بلکہ اپنے شاگردوں کی طرف سے پیش کیا گیا کھانا محض اس لئے قبول نہیں کرتے تھے کہ وہ کھانا ''اشرافِ نفس'' کے زمرے میں آتا تھا اور کہاں ہیں وہ لوگ جو یوں تو قاری اور مولوی کہلاتے ہیں لیکن اللہ کے بجائے اللہ کے بندوں پر نظر رکھتے ہیں بلکہ

ان کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بھی نہیں شرماتے اور ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے مولوی اور قاری جیسے مبارک نام اور تعلیم و قرأت جیسا مقدس کام بدنام ہوتا ہے۔

دلِ مصطفی ﷺ:

درج ذیل واقعہ تو قارئین نے بارہا پڑھا اور سنا ہوگا مگر شاید بہت کم حضرات کو معلوم ہوگا کہ یہ واقعہ دہلی کے مشہور عالم و فاضل قاری اور شاعر مرزا عبد القادر بیدل عظیم آبادی رحمہ اللہ کا ہے کہ وہ ایک مرتبہ بیٹھے داڑھی منڈار ہے تھے ایک صاحب دل فقیر وہاں سے گذرا اسے اس مشہور قاری اور نعت خواں کے داڑھی منڈانے پر بڑا افسوس ہوا، اس نے تعجب سے مرزا صاحب سے پوچھا ''بابا ریش می تراشی'' ارے میاں داڑھی منڈار ہے ہو؟ بیدل نے شاعرانہ انداز میں جواب دیا ''ارے ریش مے تراشیم و لے دل کسے رانمی خراشم'' (جناب داڑھی ہی تو منڈار ہا ہوں کسی کا دل تو نہیں دکھا رہا) فقیر بھی حاضر جواب تھا اس نے کہا ''لے بابا! دل مصطفی رامی خراشی'' (ارے میاں آپ کسی اور کا نہیں بلکہ سرورِ عالم ﷺ کا دل دکھار ہے ہیں) بیدل نے ایک چیخ لگائی اور کہا: ''راست میگوئی'' (سچ کہتے ہو) اس کے بعد داڑھی منڈانے سے انہوں نے توبہ کر لی۔

فائدہ: آج کل ریڈیو، ٹی وی اور اسکولوں اور کالجوں میں ایسے قاری اور نعت خواں کثرت سے دکھائی دیتے ہیں جو اپنی مترنم اور پرسوز آواز میں جب قرأت کرتے یا نعت پڑھتے ہیں تو لوگ جھوم جھوم اٹھتے ہیں، ان قاریوں اور نعت خوانوں کی زبانیں مدینہ مدینہ کہتے ہوئے بھی نہیں تھکتیں لیکن ان کی صورت اور سیرت مدینے والے نبی سے قطعاً میل نہیں کھاتی، وہ داڑھی بھی منڈاتے ہیں، سگریٹ نوشی بھی کرتے ہیں، مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات میں بھی بے دریغ جاتے ہیں

اور ساتھ ساتھ عشقِ رسول کی اجارہ داری کے دعوے بھی کرتے ہیں۔ کاش! وہ بھی اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور زبان سے عشق کے دعادی کے بجائے عمل سے عشق رسول کا ثبوت دیں۔

اصلی دولت:

شاہ عالم ثانی ہندوستان کا مشہور مسلمان بادشاہ گذرا ہے۔ وہ قرآن کریم کا حافظ اور قاری تھا۔ اس نے قرأت کے مشہور استاد قاری عبدالرحمن صاحب رحمہ اللہ سے نہ صرف یہ کہ قرآن حفظ کیا تھا بلکہ قرأت بھی سیکھی تھی۔

جب دہلی کے حالات دگرگوں ہوئے اور غلام قادر روہیلہ وہاں پر قابض ہوگیا تو اس نے شاہی خاندان پر مظالم کی حد کردی اور آخری ظلم یہ کیا کہ وہ بوڑھے بادشاہ کو زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور خنجر سے اس کی آنکھیں نکال ڈالیں۔ بوڑھا بادشاہ کہتا ہی رہا ارے اللہ کے بندے! رحم کر یہ وہ آنکھیں ہیں جو ساٹھ سال تک کلام اللہ پڑھتی رہیں مگر اس پر ذرّہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔

غلام قادر روہیلہ شاہ عالم سے مسلسل چھپائی ہوئی دولت کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور عدم حصول پر درندگی پر اتر آیا تھا۔ اس وقت شاہ عالم نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ: ''میری اصلی دولت تو یہاں ہے جسے کوئی نہیں لے سکتا۔'' اس سے بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ میری اصلی دولت تو قرآن ہے جو حافظ ہونے کی وجہ سے میرے سینے میں محفوظ ہے۔

فائدہ: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی سیاسی زندگی کو قرآن سے الگ کر لیا تھا اسی لیے ذکر وعبادت کے باوجود وہ ایوان حکومت اور میدان جنگ میں بڑے سفاک دکھائی دیتے تھے۔ ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ واقعی قرآن کریم کو اصلی اور حقیقی

دولت سمجھے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی، سیاسی اور مذہبی، معاشی اور معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کو قرآن کریم کے تابع کردے۔

تکمیل تمنّا:

قاری مرزا مظہر جان جاناں مجددی دہلوی رحمہ اللہ نے تجوید وقرأت کی سند شیخ القراء عبدالخالق منوفی رحمہ اللہ سے حاصل کی۔

آپ شہادت کے بہت متمنی تھے۔ فرماتے تھے کہ میری کوئی ایسی تمنا نہ تھی جو منعم حقیقی نے اپنے فضل وکرم سے پوری نہ کردی ہو۔ حقیقی اسلام سے مشرف کیا، علم سے بڑا حصہ عطا فرمایا، نیک عمل پر استقامت مرحمت فرمائی، طریقت کے جو لوازمات ہوتے ہیں وہ سب عنایت کیے۔ صلحاء کو کسب فیوض کے لیے اس بندے کے پاس بھیجا۔ دنیا اور اہل دنیا سے الگ رکھا اور میرے دل میں غیر اللہ کی جگہ نہ چھوڑی۔ اب کوئی آرزو باقی نہیں رہی سوائے شہادت کی آرزو کے جس سے قربِ الٰہی کے مراتب عالیہ ملتے ہیں، اس فقیر کے اکثر بزرگوں نے جام شہادت نوش کیا مگر یہ فقیر ناتواں ہے، عمر اسی (80) سال سے متجاوز ہے اور کمزوری اتنی ہے کہ جہاد کی قوت باقی نہیں رہی، اس مرتبہ کا حصول بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے سچے خادم اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اس سچے عاشق کی یہ آرزو بھی پوری فرمادی، دو رافضیوں نے آپ کے گھر میں داخل ہوکر آپ پر بندوق سے حملہ کیا، گولی اس انداز سے لگی کہ مرزا صاحب کا فوراً انتقال نہیں ہوا، بلکہ وہ سخت زخمی ہوگئے۔ شاہ عالم کو جب علم ہوا تو عیادت کے لئے آئے اور پوچھا: مرزا صاحب مزاج کیسا ہے؟ چونکہ مرزا صاحب بڑے نازک مزاج انسان تھے اور ذرا سی بھی بُو برداشت نہیں کرسکتے تھے اس لئے فرمایا کہ بندوق لگی ہے مگر اس

کی تو اتنی تکلیف نہیں کیونکہ یہ سینہ پہلے ہی سے چھلنی تھا ہاں بندوق چونکہ قریب سے لگی ہے اس لئے کچھ بارود اندر چلی گئی ہے اور اس کی بو سے دماغ سخت پریشان ہے۔ کہا جاتا ہے مرزا صاحب نے اس حادثہ سے چار پانچ دن پہلے ہی یہ غزل لکھی تھی:

بہ لوح تربت من یافتند تحریرے
کہ ایں مقتول راجز بیگناہی نیست تقصیرے

''لوگوں نے میری قبر پر لکھا ہوا دیکھا کہ اس مقتول کا بیگناہی کے سوا کوئی جرم نہیں تھا۔''

بعد میں یہی شعر آپ کی قبر پر تحریر بھی کیا گیا۔

فَائِدَہ: اللہ تعالیٰ کے بندوں کی آرزوئیں قلیل بھی ہوتی ہیں اور مرضی الٰہی کے دائرے میں محصور بھی ہوتی ہیں اس لئے انہیں اپنی آرزوؤں کی عدم تکمیل کا نہ شکوہ ہوتا ہے نہ شکایت ہوتی ہے اور ان کی جائز آرزوں کی تکمیل کی خود رب کریم ایسی ایسی صورتیں پیدا فرما دیتا ہے جو کسی کے وہم وگمان میں نہیں ہوتیں۔ حضرت مرزا صاحب رحمہ اللہ کے دل میں شہادت کی سچی آرزو تھی اللہ پاک نے یہ آرزو پوری فرما دی۔

قرآن کے ساتھ دل لگانے سے زندگی بھی صاف ستھری نصیب ہوتی ہے اور موت بھی قابلِ رشک آتی ہے مسکراتے ہوئے زندگی گذاری تھی، مسکراتے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوئے:

مسکراتے ہیں پھول کانٹوں میں
ہائے کیا شانِ دلربائی ہے

سامعین کا شوق:

قاری محمد حسین الٰہ آبادی رحمہ اللہ، قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی رحمہ اللہ کے شاگرد

تھے۔ حضرت کو قرآن مجید بہت اچھا یاد تھا، تجوید اور خوش الحانی سے پڑھتے تھے کئی سال تک شبینے سنائے جن میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ آخری عمر میں شبینہ سنانا چھوڑ دیا تھا، جو لوگ پہلے شبینہ سن چکے تھے انہوں نے حضرت سے شکایت کی کہ کیا بات ہے اب آپ شبینہ نہیں سناتے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید سنانے کا لطف اسی وقت تک ہے کہ سننے والے پر بار نہ ہو۔ چونکہ ایسے سننے والے نہیں رہے اس لئے میں نے سنانا موقوف کردیا ہے۔ پھر آپ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں شبینہ سنا رہا تھا، پہلی رکعت میں 29 پارہ پڑھ کر رکوع کیا اور دوسری رکعت میں تیسواں پارہ پورا کیا تو سلام پھیرنے کے بعد مولانا عبدالحی رحمہ اللہ جو مقتدی اور سامع تھے، فرمانے لگے: ''مزہ کرکرا کردیا۔ 29 پارے کے بجائے 30 پارہ پورا کرکے دوسری رکعت میں ابتداء سے کچھ اور پڑھ دیتے تو کیا بگڑتا۔''

مولانا نے فرمایا کہ جب تک ایسے سامع تھے اس وقت تک سنانے کا لطف تھا، اب مقتدیوں میں بیزارگی دیکھتا ہوں تو شبینہ سنانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

فائدہ: اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو شبینہ کو ایک لازمی رسم سمجھ کر سرانجام دیتے ہیں اور ان شبینوں میں بعض قراء معاوضہ لے کر تلاوت کرتے ہیں، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کوئی سنتا ہے یا نہیں بس وہ اپنی ڈیوٹی کسی نہ کسی طرح پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان شبینوں میں جو قباحتیں ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

1. نوافل جماعت کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں جو کہ احناف کے نزدیک مکروہ ہیں۔
2. اسپیکر میں تلاوت کرکے اہل محلہ کو بے آرام کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک بھی سننے والا نہیں ہوتا مگر اسپیکر سے پورا محلہ گونج رہا ہوتا ہے۔

3. قرآن کریم کی حد درجہ بے احترامی کی جاتی ہے اس لئے کہ بسا اوقات یہ دیکھا اور سنا کہ اپنی باری کے انتظار میں لڈو کھیلی جارہی ہے۔
4. تلاوت کا معاوضہ لیا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ جہاں سے کچھ نہ ملے ان کی برائی کی جاتی ہے۔
5. بعض لوگ پیچھے بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں، جب قاری صاحب رکوع میں جاتے ہیں تو یہ بھی بھاگ کر نماز میں شامل ہوجاتے ہیں یوں نماز کی بھی بے احترامی ہوتی ہے۔
6. بعض سننے والے بھی صرف ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں کھانے پینے کا انتظام ہوتا ہے۔
7. قرآن کریم ترتیل اور تجوید سے نہیں پڑھا جاتا۔
8. بلاضرورت مسجد کی بجلی استعمال کی جاتی ہے۔
9. انتظامیہ سے لے کر حافظ اور قاری تک ریا میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔
10. صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور سلف صالحین سے مروّجہ شبینہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

حقیقت میں ہے قرآن:

قاری حافظ ارادت الحق گیاوی رحمہ اللہ تجوید و قراءت کے ماہر اور بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ شہر کا کوئی حافظ ایسا نہ تھا جس نے آپ سے استفادہ نہ کیا ہو۔ زندگی قرآن کی تعلیم کے لیے وقف تھی اور پڑھنے یا پڑھانے کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ جب کسی کو قرآن ختم کراتے تو رقت طاری ہوجاتی، روتے ہوئے کلمات نصیحت تلقین فرماتے اس میں التزاما اس کا ذکر ہوتا کہ ''بیٹا قرآن کو بیچنا مت''

رمضان المبارک میں تراویح میں جب قرآن ختم ہوتا تو کسی حیلے سے بھی نذر قبول نہ فرماتے۔ جاننے والے جانتے تھے خود ہی احتراز کرتے۔ لیکن اگر کوئی انجان شخص

ختم کے بعد کچھ پیش کرتا تو اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ شہر کی جس مسجد میں معاوضہ نہ ملنے کی وجہ سے کوئی حافظ تراویح میں قرآن سنانے پر آمادہ نہ ہوتا تو وہاں جا کر تراویح پڑھایا کرتے، رات بھر تمام غیر آباد مسجدوں میں نوافل میں قرآن کا سلسلہ جاری رکھتے۔ مرض الموت میں جب وقتِ آخر آپہنچا تو ایک صبح اٹھ کر تیمار داروں سے فرمانے لگے کہ: ''قرآن کے اوراق کس نے میرے نیچے بچھا دیئے ہیں ان کو نکالو بے ادبی ہو رہی ہے۔'' تیماردار حیران تھے کہ کیا جواب دیں. انہوں نے آپ کے استاد مولانا خیر الدین کو بلایا، وہ تشریف لے آئے تو ان سے بھی آپ نے یہی درخواست کی تو مولانا نے فرمایا: ''مبارک ہو آپ نے زندگی بھر قرآن کی خدمت کی ہے اس کی برکت سے آپ سراپا قرآن ہو گئے ہیں اور آپ کو اس وقت ہر طرف قرآن ہی قرآن نظر آ رہا ہے، آپ مطمئن رہیے ان شاء اللہ آپ کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔''

قاری صاحب کہنے لگے: براہ کرم صرف تسلی نہ دیجئے قرآن کے اوراق تو ہٹائیے مولانا نے فرمایا: اگر قرآن کو قرآن پر رکھا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ آپ مجسم قرآن ہیں اس لئے اوراق کی فکر نہ کیجئے..... مولانا کی اس تدبیر سے قاری صاحب مطمئن ہوئے اور بشاشت کے ساتھ کلمہ پڑھتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

فائدہ: یہ زندگی اور یہ موت دونوں قابلِ رشک ہیں، جو لوگ قرآن کی عظمت سمجھ لیتے ہیں وہ اس کے بدلے دنیا کے کھوٹے سکّے لینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، ان کی نظریں عارضی چمک دمک پر نہیں ہوتیں، بلکہ اللہ کے اس عظیم اجر پر ہوتی ہیں جو کبھی بھی ختم نہیں ہوگا۔

قرآن میں مستغرق ہو جانے والے سراپا قرآن بن کر علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق بن جاتے ہیں:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مسلم
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

ایسے مستغنی لوگ:

قاری حافظ فیض محمد اورنگ آبادی رحمہ اللہ جید حافظ اور قاری تھے۔ عابد وزاہد تھے، لوگوں سے طمع نہیں رکھتے تھے، بڑے شاکر بزرگ تھے۔ اخیر زمانے میں آنکھوں کا آپریشن ہوا اور پٹی باندھ دی گئی، یہ اپنے پلنگ پر لیٹے یا بیٹھے تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں حیدرآباد کے فرمانروا اعلیٰ حضرت عثمان علی خان عثمانیہ دواخانے کے معائنہ کے لئے تشریف لائے۔ مریضوں میں بھی گئے۔ دور سے دیکھا کہ ایک شخص اپنے معمولات میں مصروف ہے نزدیک جا کر سلام کیا۔ قاری صاحب کو ان کا مخل ہونا ناگوار گزرا۔ سلام کا جواب دے کر پوچھا: آپ کون ہیں؟ کہا: عثمان علی خان۔ پوچھا: کیا فرمانروائے دکن؟ جواب دیا کہ ہاں وہی..... فرمایا کہ اگر آپ دکن کے فرمانروا ہیں تو آپ کو دوسروں کے معمولات میں مخل ہونے کا حق کیسے حاصل ہوگیا؟

اعلیٰ حضرت کے ساتھ جو امراء اور ڈاکٹر تھے وہ سب سناٹے میں آگئے مگر جناب عثمان علی خاں صاحب خاموشی کے ساتھ وہاں سے چلے گئے ہسپتال کا معائنہ کرنے کے بعد پھر قاری صاحب کے پاس آئے اور پوچھا کہ "قاری صاحب! اب تو آپ اپنے معمولات سے فارغ ہو گئے مجھے اس وقت مخل ہونے کا افسوس ہے اب سنایئے آپ کا کیا حال ہے؟ کہا: "الحمد للہ! اچھا ہوں دو چار روز میں پٹی کھل جائے گی" اعلیٰ حضرت نے دعا کی درخواست کی تو قاری صاحب نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ وہاں سے آگے بڑھ کر بڑے تعجب سے اپنے مصاحبین سے کہا کہ ایسے مستغنی لوگ اب بھی دنیا

میں موجود ہیں، اعلیٰ حضرت نے ان کے لیے تاحیات معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔

فائدہ: یہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کے دلوں میں اشتغال بالقرآن کی وجہ سے غنا بھر جاتی ہے وہ قرآن کو سب سے بڑی دولت اور صاحب قرآن کو سب سے بڑا غنی یقین کرتے ہیں، دنیا ان کے قدموں میں ذلیل ہو کر آتی ہے۔

اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے سب سے بڑا سبق ہے جن کی پیشانیوں پر غریبوں کو دیکھ کر بل پڑ جاتے ہیں اور سرمایہ داروں کے سامنے وہ بچھ بچھ جاتے ہیں۔ اپنے سینے میں قرآن جیسی بے مثال دولت ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو روپے پیسے والوں کے مقابلے میں بہت حقیر سمجھتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اللہ کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں اور اہلِ دنیا کی نظر میں بھی انہیں کوئی عزت حاصل نہیں ہوتی۔

گواہ رہنا:

حافظ سید قربان علی شاہ بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ قرآن مجید خوب یاد کیا تھا ہر وقت تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ اخیر عمر میں سل کی بیماری ہوگئی۔ ایک مرتبہ سینے سے خون زیادہ آتے دیکھ کر اپنے اقرباء کو جمع کیا اور کہا: اب میرا آخری وقت ہے تم گواہ رہنا کہ میں مسلمان ہوں اور میرے حافظ ہونے کے بھی گواہ رہو۔ یہ کہہ کر الحمد سے لے کر والناس تک قرآن مجید سنا دیا اسی کے ساتھ سانس ٹوٹی اور جاں بحق تسلیم ہو کر اس شعر کا مصداق بن گئے:

تمنا ہے یہی خادم کبھی یہ آس پوری ہو
شروع الحمد سے ہو کر کبھی والناس پوری ہو

حق ادا نہ ہو سکا:

حضرت قاضی حمید الدین رحمہ اللہ، مولانا بدر الدین غزنوی رحمہ اللہ اور خواجہ قطب

الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ یہ تینوں حضرات جامع مسجد دہلی میں معتکف تھے، شب و روز تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے، ایک رات ارادہ فرمایا کہ آج پوری رات میں صرف دو رکعت نماز ادا کریں گے چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد خواجہ حمید الدین رحمہ اللہ نے پہلی رکعت میں ایک قرآن اور چار پارے پڑھے دوسری رکعت میں دوسرا قرآن ختم کر دیا اور آخر میں تینوں نے مل کر دعا کی: ''الٰہی! ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا بس تو اپنی رحمت سے ہمیں بخش دینا۔''

حاملِ قرآن کی پہچان:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: حامل قرآن کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جب کہ لوگ سو رہے ہوں، اپنے دن میں روزے سے پہچانا جائے جب کہ لوگ کھا رہے ہوں اور تقویٰ سے پہچانا جائے جب کہ لوگ خلط ملط ہو جائیں اور اپنی تواضع سے پہچانا جائے جب کہ لوگ تکبر کریں اور اپنے غم سے پہچانا جائے جب کہ لوگ خوش ہو رہے ہوں اور اپنے رونے سے پہچانا جائے جب کہ لوگ ہنس رہے ہوں اور خاموشی سے پہچانا جائے جب کہ لوگ گپ شپ کر رہے ہوں۔ (اخلاق حملۃ القرآن: صفحہ 50)

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: حامل قرآن کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرے نہ خلیفہ کے سامنے نہ اس سے چھوٹے درجے کے کسی آدمی کے سامنے اور مناسب یہ ہے کہ لوگ اپنی ضرورتیں لے کر اس کے پاس جائیں۔ (اخلاق حملۃ القرآن: صفحہ 51)

فائدہ: ہم میں سے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حافظ وقاری یا قرآن کا معلم اور مدرس بنایا ہے وہ ان مبارک فرمودات کے آئینے میں اپنا اچھا یا

برا چہرہ بخوبی دیکھ سکتے ہیں، کتنے ہی حفاظ اور قراء ایسے ہیں جو مخارج کی ادائیگی اور تجوید کے قواعد کے اجراء میں بڑی مہارت رکھتے ہیں جب وہ اپنی پرکشش آواز میں قرآن پڑھتے ہیں تو لوگ جھوم جھوم جاتے ہیں لیکن ان کی عملی زندگی میں قرآنی احکام کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی ایسے حضرات کو جان لینا چاہیے کہ وہ حق تلاوت ادا نہیں کرتے اگر وہ تلاوت کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں امام غزالی رحمہ اللہ کی بات پلے باندھ لینی چاہیے۔

حق تلاوت:

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قرآن کریم کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس میں زبان کے ساتھ عقل اور دل بھی شریک ہو۔ زبان کی ذمہ داری حروف کو ترتیل کے ساتھ صحیح طرح ادا کرنا، عقل کی ذمہ داری معانی کی تفسیر کرنا اور دل کی ذمہ داری اس سے متاثر ہو کر برائیوں سے بچنا اور نیکیوں کو سرانجام دینا۔ پس زبان تلاوت کرتی ہے اور عقل اس کا ترجمہ کرتی ہے اور دل اس سے عبرت حاصل کرتا ہے۔

دولتِ قرآن کا احترام:

حضرت ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معمر بن سلیمان رحمہ اللہ کی خدمت میں ''امنہ'' شہر میں بیٹھا ہوا تھا وہ ایک بہترین انسان تھے انہیں اپنے کسی کام کے لیے بادشاہ کا تعاون درکار تھا ان سے کہا گیا کہ آپ بادشاہ سے مل کر اس موضوع پر بات کر لیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ اس کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن پھر مجھے قرآن کریم اور علم کا خیال آیا جس کی دولت اللہ نے مجھے عطا فرما رکھی ہے تو میں نے اسی کے احترام میں بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ چھوڑ دیا۔

(تھذیب التھذیب:10/250)

فائدہ: یہی وہ حضرات تھے جو قرآن کی عظمت کا حق ادا کرنے والے تھے۔

انہوں نے فاقے برداشت کیے، غربت کی زندگی گذارنا گوارا کرلیا، اپنی خواہشات اورآرزؤوں کا گلا گھونٹ دیا لیکن دولتِ قرآن ملنے کے بعد انہوں نے سرمایہ داروں اور اصحابِ اقتدار کی چوکھٹ پر قدم رکھنا برداشت نہیں کیا اور نہ ہی اس بے مثال دولت کو وہ دنیا کی حقیر دولت کے بدلے بیچنا پسند کرتے تھے۔

ہمارے ان دوستوں کو اس سے سبق لینا چاہیے جنہیں سارا دن ٹیوشنیں پڑھانے اور قرآن خوانیوں سے فرصت نہیں ملتی اور وہ اس میں کسی قسم کی شرم بھی محسوس نہیں کرتے۔

کیا یہ عبرت کی بات نہیں کہ یہ سیٹھ لوگ قرآن اور حصول ثواب کی خاطر اہل علم کے پاس آنا پسند نہیں کرتے مگر اہل علم دنیا کے دوٹکوں کی خاطر ان کے بنگلوں اور فیکٹریوں کا طواف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جہاں بعض اوقات گیٹ پر انتظار کروایا جاتا ہے، اور سرونٹ کوارٹر میں بٹھایا جاتا ہے، کسی بچے پر سختی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، بچے مصروف ہوں تو قاری صاحب کو واپس بھیج دیا جاتا ہے اور یہ ساری ذلت صرف اس لیے برداشت کرتے ہیں کہ انہیں مہینے کے آخر میں پانچ سو یا ہزار ملنے کی امید ہوتی ہے۔

خدارا! سینے پر ہاتھ رکھ بتایئے کہ یہ نعمتِ قرآن کی بے حرمتی نہیں ہے؟

بے تکلفی نہ کہ تکلف:

امام حمزہ رحمہ اللہ قرأت کے مشہور امام ہیں ان سے کسی نے کہا: اے ابو عمارہ! میں نے آپ کے ایک شاگرد کو دیکھا کہ اس نے ہمزہ ادا کرنے میں اتنا زور لگایا کہ اس کے گریبان کا بٹن ٹوٹ گیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایسا کرنے کا اسے کبھی حکم نہیں دیا۔ (جمال القرآن: صفحہ 126)

امام شعبہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: کہ ہمارے امام صاحب سورۂ ہمزہ میں

"موصدہ" کے ہمزہ پر اتنا زور لگاتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ نماز ہی میں اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لوں۔ (المرشد الوجیز:212)

علامہ ابوعمر دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "تجوید کے بارے میں ائمہ قرات کی تحقیق یہ ہے کہ مد اور غنہ، ہمزہ اور تشدید، حرکت اور سکون، ادغام اور امالہ اور فتح میں سے جس حرف کا جو حق بنتا ہے وہ اسے پورا پورا دیا جائے بشرطیکہ افراط وتفریط اور تکلف وغیرہ نہ ہو۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض کم عقل اور نام نہاد قراء حروف کو کھینچنے اور جدا جدا کرنے میں جو افراط وتفریط سے کام لیتے ہیں اور حرکات کو بے جا لمبا کرتے ہیں یا اس کے علاوہ ناپسندیدہ حرکتیں اور مکروہ طریقے اختیار کرتے ہیں وہ سلف صالح اور ائمہ قرات کے طریقے سے ہٹے ہوئے ہیں اور اس کی کراہت کی دلیلیں موجود ہیں۔

فائدہ: اگرچہ اس کتاب میں ہم نے قرآن کریم کے سچے خادموں کے واقعات جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے لیکن ہمارے پیش نظر ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہمارے دور کے حفاظ اور قراء اس کتاب کی روشنی میں اپنے کردار وعمل کا جائزہ لیں اور خدمتِ قرآن کے باب میں ان کے اندر جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش کریں، اسی نیت سے ہم نے اسلاف میں سے بعض قراء اور علماء کے اصلاحی اور تنقیدی اقوال نقل کیے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حضرات حروف کی ادائیگی میں بے حد تکلف سے کام لیتے ہیں، ان کا زور مخارج پر ہوتا ہے معانی اور مطالب کو تو گویا ایک غیر ضروری چیز سمجھتے ہیں...... حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا درج ذیل ارشادِ گرامی بھی اسی اصلاحی جذبہ سے نقل کیا جا رہا ہے۔

تین قسم کے قراء:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے تین قسم کے ہیں:

1. ایک قسم توان لوگوں کی ہے جنہوں نے اسے اپنا کاروبار بنا رکھا ہے اس سے پیسے کماتے ہیں۔
2. دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اس کے حروف تو بہت صحیح اور درست ادا کرتے ہیں مگر اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کے حدود کو ضائع کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے لوگوں پر اپنی چودھراہٹ کو برقرار رکھتے ہیں اور اس کے ذریعے حکمرانوں سے پیسہ وصول کرتے ہیں۔ اس قسم کے حاملینِ قرآن بہت ہیں اللہ ان کی کثرت ختم کریں۔
3. تیسری قسم کے قراء وہ ہیں جنہوں نے قرآن کو دواء سمجھا اور اس کے ذریعے اپنے دلوں کی بیماریوں کا علاج کیا، اپنے اندر خوفِ خدا پیدا کیا اور غم اور فکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، یہی لوگ ہیں جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارشیں برساتا ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرتا ہے...... اللہ کی قسم! اس قسم کے حاملینِ قرآن دنیا میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ دوسری صدی کے انسان ہیں اور یہ وہ دور تھا جو دورِ نبوت سے قریب ہونے کی وجہ سے رجال کار سے بھرا پڑا تھا، مساجد آباد تھیں، مدارس کی رونقیں شباب پر تھیں، حبِ مال اور حبِ جاہ کا مرض عام نہ ہوا تھا مگر وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ قرآن سے صحیح استفادہ کرنے والے اور اس کے حقوق ادا کرنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں، اگر اس دور کا یہ حال تھا تو ہمارا دور جبکہ حبِ دنیا، حبِ جاہ، حرص وہوس اور کبر وغرور جیسے امراض کے جراثیم اہل علم میں بھی عام سرایت کر چکے ہیں تو اس دور میں کونسی قسم اٹھا کر کہا جائے کہ قرآن کے ذریعے اپنے دلوں کی بیماریوں کا علاج کرنے والے اور خوفِ خدا اور فکرِ آخرت رکھنے والے نہ ہونے کے

برابر ہیں۔ ہمارا دور حقیقت میں دورِ خزاں اور زمانہ قحط ہے یوں تو مدارس بھی بہت ہیں اور خانقاہوں کی بھی کمی نہیں لیکن وہ صاحب حال انسان دکھائی نہیں دیتے جن کا حال قال سے، جن کی خلوت جلوت سے اور جن کا باطن ظاہر سے زیادہ اجلا ہوتا تھا اور جن کے دل کی گرمی پوی محفل کو گرما دیا کرتی تھی...... ہائے اللہ! اس تلخ حقیقت کا کیسے اقرار کیا جائے کہ قرآن ہے مگر اس کے مخلص قاری نہیں، پُرسوز آوازیں ہیں مگر فہم وتدبر سے کسی کو سروکار نہیں۔

تقریریں اور تفسیریں ہیں مگر عمل نہیں، اقوال ہیں مگر احوال نہیں، ظاہر اجلے ہیں مگر باطن غلاظت سے بھرے پڑے ہیں۔

قلبی امراض عام ہیں اور قرآن کریم کی صورت میں نسخۂ شفا بھی موجود ہے مگر کسی کو علاج کا خیال تو کیا ہوگا ان بیماریوں کا احساس تک نہیں۔

پہلے حال پھر قال:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جن کا ارشاد اوپر گذرا ہے، ان کی اپنی تلاوت کا جو حال تھا وہ ان کی باندی نے بیان کیا ہے؟ عمر بن حجادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی باندی سے پوچھا کہ تم نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خاص بات کون سی دیکھی؟ اس نے کہا کہ میں انہیں دیکھا کرتی تھی کہ وہ جیسے ہی قرآن کو کھولتے ان کے ہونٹ ابھی بند ہی ہوتے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو جاتا۔ (شعب الایمان: 1/368)

وہ لوگ کہاں گئے؟

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کسی آیت کی تلاوت کرتا ہوں تو اس میں چار چار پانچ پانچ روز تک غور وفکر کرتا رہتا ہوں اور اگر

میں زبردستی اپنی توجہ اس آیت سے نہ ہٹاؤں تو شاید اس آیت کو چھوڑ کر دوسری آیت شروع ہی نہ کرسکوں۔(احیاء العلوم: 1/290)

فَائِدَۃ: آج ایسے لوگوں کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی ہیں جو قرآن کریم میں واقعی غور وتدبر کرنے والے ہوں، ایک آیت میں چار پانچ روز تک غور وفکر تو بہت دور کی بات ہے ہمیں چار منٹ کے لئے غور وفکر کرنا بوجھ محسوس ہوتا ہے اور اس لیے بوجھ محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اسے زائد اور فضول چیز سمجھ لیا ہے۔

فَائِدَۃ: تلاوت سے قبل ہی آنسوؤں کا بہنا یہ کلام اللہ کی عظمت کے احساس کی وجہ سے تھا گویا:

کہاں میں اور کہاں نکہتِ گل
نسیمِ صبح یہ تیری مہربانی ہے

سچا شیدائی:

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی نور اللہ مرقدہ قرآن کے سچے شیدائیوں میں سے تھے، قرآن کریم کی محبت، فنائیت اور فہم وتدبر کے حوالے سے ان کے بڑے عبرت آموز اور پُراثر واقعات اور اقوال حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہٗ نے ان کی سوانح میں ذکر فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ ایک روز تلاوت قرآن کررہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی۔ مولوی تجمل حسین شاہ سے فرمایا کہ ”جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آئے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو گے بلکہ کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤ گے۔“

آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور کئی روز تک بیمار رہے۔ مولانا

سید محمد علی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ابتداء میں حضرت سے عرض کیا کہ مجھے جو مزہ شعر میں آتا ہے قرآن شریف میں نہیں آتا آپ نے فرمایا: ابھی بعد ہے، جو مزہ قرآن شریف میں ہے کسی میں نہیں۔ مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ: ''نسبتِ قرآن کی غایت سلوک ہے۔'' مولوی تجمل حسین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک بار مولانا محمد علی صاحب وغیرہ کا مجمع تھا قرآن شریف کا ترجمہ ہوا رکوع یہ تھا:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝﴾

(سورۃ مریم)

تَرجَمَۃ: ''اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے اور وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔''

اس کا ترجمہ فرمایا اس کے بعد وہ آیت پڑھی گئی جو حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے بیان میں ہے:

﴿ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝﴾ (سورۃ مریم)

تَرجَمَۃ: ''وہ اپنے رب کے پسندیدہ تھے۔''

آپ نے ترجمہ فرمایا کہ: ''تھا اپنے رب کا پیارا'' یہ فرما کر چیخ ماری اور آپ پر گویا بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس واقعہ کے بعد دو مہینے سخت علیل رہے۔

ایک مرتبہ جب اس آیت کا ترجمہ پیش آیا:

﴿ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾

(سورۃ المائدۃ)

تَرجَمَة: ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنالو۔“

یعنی حضرت عیسیٰ کو حکم ہوگا کہ کیا تم نے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ ہم کو اور ہماری ماں کو خدا سمجھیں اور خدا کو خدا نہ سمجھیں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گھبرا کر یہ فرمانا: ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ یعنی ﴿ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ کا موقع تھا مگر آپ نے ﴿الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ فرمایا اس وقت گویا واقعہ قیامت سامنے آ گیا اور مصیبت قیامت کی کیفیت سب پر طاری ہوگئی۔ (تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی)

فَائِدَہ: مولانا گنج مرادآبادی رحمہ اللہ صاحب دل انسان تھے۔ جب قرآن و حدیث کا درس ہوتا تو پہلے آپ پر کیفیت آتی تھی اس کے بعد ہر شخص کی استعداد کے موافق عکس کے طور پر اس پر بھی وہ کیفیت طاری ہوتی تھی اور یہ نتیجہ تھا تزکیہ باطن اور معانی قرآن میں تدبر کا اور یہ دو چیزیں جسے حاصل ہو جائیں وہ قرآنی انوار اور کیفیات سے ہرگز محروم نہیں رہ سکتا اور جن لوگوں کو یہ دو صفات حاصل نہیں ہوتیں وہ قرآن کریم کے حقیقی ثمرات اور برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو بے دھیانی کے ساتھ جلدی جلدی پڑھنے والوں سے بچو کیونکہ ان کی مثال اس ٹیلے کی سی ہے جو نہ تو بارش کا پانی روکتا ہے اور نہ ہی کوئی سبزہ اگاتا ہے۔ (شعب الایمان: 1/429)

حال کا اثر:

مولوی عبد الرحمٰن خورجوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ حاضر ہوا، رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام اللہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ہی سنایا کرتے تھے۔ ایک شب آپ نے تراویح شروع کیں، میں بھی جماعت میں شریک

تھا، قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف وخشیت دلایا گیا تھا، جماعت میں حالانکہ نصف سے کم عربی کے سمجھنے والے تھے اور باقی ناواقف مگر آپ کے اس رکوع کی قرأت پر خوف کا اثر سب پر پڑ رہا تھا کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ، کوئی بے قرار اور کوئی تھر تھر کانپ رہا تھا، اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اس میں رحمت باری تعالیٰ کا بیان تھا۔ اس وقت دفعۃً تمام جماعت پر سرور طاری ہوگیا اور پہلی حالت یک لخت بدل کر فرحت اور انبساط کی کیفیت طاری ہوگئی، یہاں تک کہ بعض مقتدی ہنسی ضبط نہ کرسکے اور قہقہہ جاری ہوگیا۔ (تذکرۃ الرشید: 2/198)

فائدہ: مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ان حضرات میں سے تھے جو صرف مردِ قال ہی نہیں بلکہ مردِ حال بھی ہوتے ہیں اور ایسے حضرات کے قلبی جذبات اور واردات کے اثرات دوسروں پر بھی مرتب ہوکر رہتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی زبان سے نکلی ہوئی سیدھی سادی باتیں بھی دل ودماغ کو بدل دیتی ہیں۔

یہی قرآن:

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ حجرہ شریفہ میں تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے آپ کے خادم مولوی محمد یحییٰ صاحب پیچھے بیٹھے ہوئے تھے میں بھی دبے پاؤں اس طرح خاموشی سے جاکر بیٹھا کہ حضرت نے آہٹ بھی نہ سنی، تھوڑی دیر میں مولوی محمد یحییٰ صاحب کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے اور میں تنہا بیٹھا رہ گیا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ آپ کا سارا جسم کانپنے لگا، بے اختیار آٹھ آٹھ آنسو رونے لگا، آواز رک گئی، ہرچند آپ پڑھنا چاہتے مگر گریہ کا غلبہ حلق کو پکڑ لیتا تھا، اللہ گواہ ہے کہ خوف کی جو

حالت اس وقت حضرت پر طاری تھی شاید وہ حالت اس کمزور اور ضعیف القلب شخص پر بھی طاری نہ ہوگی جو کسی خونخوار شیر کے سامنے پڑا ہو اور جو خشیت آپ پر مسلط تھی غالباً کسی طاقتور اور ظالم و جابر دشمن بادشاہ کے سامنے کسی زبردست خطا کار غلام پر بھی ظاہر نہیں ہوگی۔ آپ کی اس حالت پر اتفاقیہ اور عمر بھر میں پہلی بار میری نظر پڑی تھی، میں اب تک بھی نہیں جانتا کہ آپ کس بات سے ڈرتے تھے اور کیوں کانپ رہے تھے؟ یہی قرآن مجید جس کو اول سے آخر تک مسلمان پڑھا کرتے ہیں، حضرت بھی پڑھ رہے تھے لیکن خدا جانے وہ مضمون کونسا اور کہاں ہے جس سے ایسا خوف یا خشیت پیدا ہوجاتی ہے؟ میں حضرت کا یہ حال دیکھ کر تھرا اٹھا اور کمال الحاح اور اخلاص کے ساتھ دعا مانگتا رہا کہ یا اللہ! کسی طرح مولوی محمد یحیٰی جلد آجائیں، دعا دل سے نکلی تھی اس لئے فوراً قبول ہوگئی، شاید چند ہی لمحے گذرے ہوں گے کہ مولوی محمد یحیٰی صاحب جنہیں حجرہ میں ہر وقت آنے جانے کی اجازت تھی، آگئے ادھر انہوں نے چوکھٹ پر قدم رکھا ادھر حضرت اس حالت کو ضبط فرما کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

(خلاصہ از تذکرۃ الرشید:2/191)

فَائِدَہ: یہی قرآن ہے جسے ہم شب و روز پڑھتے ہیں لیکن ہم پر رقت و لطافت اور سوز و گداز کی کوئی کیفیت طاری نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات یوں دیکھا جاتا ہے کہ قاری صاحب جہنم کے عذاب کی آیات آواز کے مد و جزر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور سامعین مسرت کے انداز میں واہ واہ کہہ کر آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

اس ناچیز کی ناقص سوچ یہ ہے کہ قرآن کے معانی پر نظر نہ رکھنے اور دلوں کے پاک نہ ہونے کی وجہ سے یہ لاابالی پن پیدا ہوتا ہے۔ اگر دل کا تزکیہ ہو چکا ہو اور اس دل میں اللہ اور کلام اللہ کی عظمت سما چکی ہو اور فہم و تدبر کے ساتھ آیات الٰہیہ کو سنا اور

پڑھا جائے تو کوئی بھی قاری اور سامع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

استقامت:

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جوانی میں محض اپنے شوق سے قلیل عرصہ میں قرآن مجید یاد کیا پھر اس کی ایسی محافظت فرمائی کہ باید و شاید۔ کلام اللہ کی تلاوت کا زندگی بھر کبھی ایک دن بھی ناغہ نہ فرمایا، نماز میں ختمِ قرآن کا معمول الگ تھا، دو اڑھائی پارے یا کم از کم سوا پارہ مغرب کے بعد چھ رکعتوں میں پڑھتے تھے اور حسب موقع دو پاروں سے لے کر چار پاروں تک بارہ رکعت تہجد میں پڑھنے کا معمول تھا اور اس کی ایسی پابندی تھی کہ سفر و حضر اور مرض و صحت میں کبھی اس کا ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ جس رات آپ کی جواں سال اور محبوب بیٹی فوت ہوئی اس رات بھی اس معمول کا ناغہ نہ فرمایا حالانکہ مرحومہ کی تیمارداری کے سبب کئی راتوں سے مسلسل بیدار چلے آرہے تھے، سونا برائے نام تھا۔ اسی طرح آپ کے اکلوتے اور جواں بیٹے حافظ ابراہیم مرحوم ایسی بیماری میں مبتلا ہوئے کہ لیٹ نہ سکتے تھے، حضرت دن بھر مدرسہ کے مشاغل سے فارغ ہو کر گھر آتے، پیچھے بیٹھ کر اپنے سینے کو مریض کا تکیہ بنا لیتے اور اس کو چھاتی سے لگا کر نصف شب تک بیٹھے رہتے، اس کے بعد مرحوم کی والدہ اٹھ کر اسی طرح سہارا دیتی، سات راتوں تک مریض کی یہ کیفیت رہی۔ ان کٹھن راتوں میں بھی حضرت نے تہجد اور تلاوتِ طویلہ کا ناغہ نہ فرمایا پھر جب بیٹے کی وفات ہوئی اور مسلسل سات راتیں جاگ کر کاٹنے کے بعد حضرت کو آرام کا موقع ملا تو تھکاوٹ سے چور چور ہونے کے باوجود اس رات بھی تہجد کا ناغہ نہ فرمایا۔ اسی طرح آپ نے اپنی زندگی میں متعدد بار کٹھن اور دشوار ترین سفر بھی فرمائے لیکن دورانِ سفر کبھی تہجد و تلاوت کے معمولات کا ناغہ نہ فرمایا یہاں تک کہ ایک بار آپ نے ایک

طویل سفر سمندر کے راستے سے کیا، جہاز میں ایسی گردش تھی کہ اس سفر کے عادی ملازمین بھی چکر کھا کر گر پڑتے تھے، قے کی بیماری عام تھی مگر آپ وہاں بھی تاروں کی چھاؤں میں گھنٹہ سوا گھنٹہ اپنے مولا کے سامنے کھڑے ہو کر دو اڑھائی پارے سکون کے ساتھ پورے کر لیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الخلیل)

فَائِدَۃ: یہی وہ استقامت ہے جسے فوق الکرامت کہا جاتا ہے اور ولایت کی اصل نشانی یہی استقامت ہے ورنہ فضاؤں میں اڑنا، سمندر پر تیرنا اور عجائبات کا دکھانا تو کوئی ایسا کمال نہیں جس کی وجہ سے ہم کسی کو ولی مان لیں، ہدایت، عبادت اور ریاضت کے راستے پر قدم رکھنے کے بعد قدموں کو جمائے رکھنا اور ان میں ذرہ برابر لغزش نہ آنے دینا ہی بندگی کا کمال اور ولایت کا جمال ہے۔

ہم میں سے کتنے ہی ایسے کمزور اور محروم انسان ہیں جو فراغت کے باوجود بھی تلاوت اور تہجد تو کیا فرض نمازیں بھی پابندی سے ادا نہیں کرتے اور کیسے مضبوط ہمت اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو امراض اور مشاغل اور اسفار کے ہجوم میں اپنے نفلی معمولات کا بھی ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے۔

صحابہ والی شان:

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں قاری سید محمد میاں رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تہجد کی نماز سفر میں عموماً چار رکعت ادا فرماتے پہلی دو رکعتیں مختصر، اکثر پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع اور دوسری رکعت میں آل عمران کا آخری رکوع ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ پڑھا کرتے۔ بعد کی دو رکعتیں بہت طویل تقریباً ڈیڑھ دو پارہ قرأت فرمایا کرتے تھے، تہجد کی قرأت قدرے جہر سے ادا فرماتے، پاس بیٹھا ہوا

آدمی غور سے سنتا تو پوری قرأت سن سکتا تھا، قرأت کرتے وقت اس قدر خشوع، اتنا گریہ اور سینہ مبارک سے کھولتے ہوئے گرم سانس نکلتے کہ باید وشاید۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت جو احادیث میں ذکر کی گئی ہے:

''كَانَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهِ أَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ.''

''آپ ﷺ جب نماز پڑھتے تو رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینے سے کھولتی ہوئی ہنڈیا کی سی آواز نکلتی تھی۔''

تو یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہوکر پہلے دعا مانگتے پھر مصلے پر استغفار کرنے کے لئے بیٹھ جاتے۔ تسبیح ہاتھ میں ہوتی جیب میں سے رومال نکال کر آگے رکھ لیتے اگال دان قریب رکھ لیا کرتے تھے، اس وقت رونے کا جو منظر بار بار دیکھنے میں آیا وہ کسی اور وقت نہیں، آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں مسلسل جاری رہتیں جنہیں رومال سے صاف کرتے جاتے اور

''اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ.''

جھوم جھوم کر پڑھتے جاتے۔

کبھی اور بھی کلمات پڑھتے۔ بعض اوقات اسی کرب اور بے چینی کے عالم میں فارسی یا اردو کا کوئی شعر بھی پڑھا کرتے فجر کی نماز تک یہی معمول رہتا۔ قرآن کریم نے صحابہ کی شان:

﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾﴾ (سورۃ الذاریٰت)

﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾﴾ (سورۃ آل عمران)

بیان فرمائی۔ قرآن کریم میں ہم نے جو پڑھا تھا اسے بعینہ حضرت شیخ کے اندر

جلوہ گر پایا۔ (روزنامہ الجمعیہ دہلی شیخ الاسلام: صفحہ 153)

فائدہ: سحر کے مبارک وقت میں اٹھ کر اللہ کو یاد کرنا اور گناہوں پر توبہ اور استغفار کرنا یہ اللہ والوں کا خاص شعار اور صحابہ کرام کی پہچان ہے۔

صحابہ کرام عبادت وریاضت، ذکر وتلاوت، اتباع واطاعت اور انفاق وجہاد کے عنوان سے جو کچھ کرتے رہے اس کی کچھ نہ کچھ جھلکیاں ہمیں اپنے قریب کے زمانے کے لوگوں میں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ ہمارے دور میں ایسے لوگ اب خال خال ہی رہ گئے ہیں۔

قرآنی اثر:

ڈاکٹر سر محمد اقبال فطری شاعر تھے، ان کی ابتدائی شاعری تو عام شعراء جیسی ہی تھی لیکن بتدریج ان کے خیالات میں پختگی پیدا ہوگئی اور وہ خالص اسلامی اور انقلابی شاعر بن گئے۔ قرآن مجید سے خاص تعلق تھا، ان کے بہت سارے اشعار قرآنی آیات کے مفہوم پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے اپنی عمر کے کسی حصے میں بھی سحر خیزی اور تلاوت کرنی نہیں چھوڑی، حتیٰ کہ انگلستان کے قیام کے دوران بھی جہاں سحر خیزی اور دیوانگی مترادف شمار کیے جاتے ہیں، وہاں بھی اقبال نے بوقت سحر تلاوت کا معمول جاری رکھا:

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

اقبال بڑے خوش الحان تھے۔ والہانہ انداز میں قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ آخری عمر میں جب آپ کا گلا خراب ہوگیا تو آپ کو سب سے زیادہ افسوس اسی بات کا تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت کی حلاوت اور انہماک سے محرومی ہوگئی۔ تلاوت

میں اقبال صرف خوش الحانی پر ہی توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ قرآن کریم کے مطالب اور معانی پر بھی نظر رکھتے تھے اسی لیے قرآن پڑھتے اور سنتے ہوئے ان پر اکثر گریہ طاری ہو جاتا تھا اور قرآن فہمی کے بارے میں ان کا جو خاص نقطہ نگاہ تھا اس کی ترجمانی انہوں نے درج ذیل شعر میں کی ہے:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

جب راس مسعود کی بیگم حاملہ ہوئیں تو اقبال نے راس مسعود کو یہ مشورہ دیا تھا کہ کسی خوش الحان قاری سے انہیں روزانہ قرأت سنائی جائے تاکہ پیدا ہونے والے بچہ پر قرآنی اثر پڑے۔

فائدہ: عام لوگوں کی نظر میں یہ بات چنداں اہمیت نہیں رکھتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ حمل اور رضاعت کے زمانہ میں ماں جو کچھ سنتی اور بولتی ہے اس کا اثر بچے کے اخلاق پر پڑتا ہے جو اگرچہ اس وقت تو دکھائی نہیں دیتا لیکن مستقبل میں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔

مبارک تھیں وہ مائیں جو حمل اور رضاعت کے زمانے میں قرآن کریم پڑھتی اور سنتی تھیں اور بہت ظالم ہیں وہ مائیں جو یہ زمانہ گانا، بجانا سننے میں اور آوارہ گردی کرنے میں گذارتی ہیں۔

سچا شوق:

مشہور مناظر مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ جن کی زندگی دفاعِ صحابہ اور مدحِ صحابہ میں گذری وہ ''النجم'' کے مدیر تھے دوسری بہت ساری ذمہ داریاں بھی ان کے سر تھیں، بوڑھے ہو چکے تھے انہیں بڑھاپے میں حفظ قرآن کا شوق ہوا چنانچہ

انہوں نے 75 سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل کر لی۔

نہ دور کی ضرورت نہ سامع کی:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور اس کے بعد چھ مہینے تک مسلسل اپنے والد کی طرف سے مامور رہے کہ جب تک پورا قرآن حفظ نہ پڑھ لو گے روٹی نہ ملے گی ہاں ختم کے بعد تمام دن چھٹی۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے قبل پورا کلام مجید ختم کر لیا کرتا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت میں اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا۔ حفظ قرآن کے زمانے میں بھی آپ نے والد سے پوشیدہ فارسی کی کئی دواوین اور قصص از خود دیکھ لیے تھے اور اس کے باوجود حفظ قرآن کے سبق پر اثر نہیں آنے دیا۔ (تذکرۃ الخلیل: صفحہ 200)

ایک مرتبہ میری درخواست پر رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لیے میرٹھ تشریف لائے تو میں نے دیکھا دن بھر چلتے پھرتے پورا قرآن مجید ختم فرما لیتے اور افطار کا وقت ہوتا تو ان کی زبان پر ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ ہوتی تھی۔ ریل سے اترے تو عشاء کا وقت ہو گیا تھا، ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت تھی اس لیے مسجد میں قدم رکھتے ہی مصلّے پر آ گئے اور تین گھنٹہ میں دس پارے ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ نہ کہیں لکنت تھی نہ متشابہ گویا قرآن شریف سامنے کھلا رکھا ہے اور باطمینان پڑھ رہے ہیں تیسرے دن ختم فرما کر روانہ ہو گئے کہ نہ دور کی ضرورت تھی نہ سامع کی۔ (ایضاً: صفحہ 204)

فائدہ: حفظ قرآن، قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہے، دنیا کی کوئی بھی الہامی کتاب یا غیر الہامی کتاب اتنی نزاکتوں کے ساتھ اس کے ماننے اور نہ ماننے والوں

کے سینے میں محفوظ نہیں ہو سکتی جتنی نزاکتوں کے ساتھ قرآن کریم کروڑوں سینوں میں محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تورات اور انجیل کے مراکز میں بھی ان سے بلکہ دنیا کی ہر کتاب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہی ہے۔

ایسے لوگ بے شمار ہیں جنہیں قرآن کریم اتنا پختہ یاد ہے کہ الم سے والناس تک ایک غلطی نہیں آتی جب کہ پڑھنے میں آیتوں، علاماتِ وقف، زبر، زیر، پیش، غنہ، مد اور اظہار اور اخفاء کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے لیکن آج کل یہ افسوسناک صورتحال پیش آرہی ہے کہ دینی مدارس سے جو حافظات نکل رہی ہیں ان میں سے اکثر کو قرآن یاد نہیں ہوتا اور جو حافظ فارغ ہو رہے ہیں ان کو بھی حفظ میں پختگی حاصل نہیں ہوتی اس پر اہل مدارس کو خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

تلاوت کا پُر کیف انداز:

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ جب تک ان کی صحت اچھی تھی تو رمضان المبارک میں بعد نماز عصر، مجلس سے الگ تنہائی میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ ایک صاحب جو وہیں رہا کرتے تھے، بتلاتے ہیں کہ میں ادھر سے گذرا تو حضرت رحمہ اللہ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت کچھ کھلی اور بہت ہی بھلی معلوم ہوئی اور دل ہی دل میں بے ساختہ یہ دعا کی کہ اے اللہ! اس طرح پر قرآن پڑھنا ہمیں بھی عطا فرمادے۔ رمضان المبارک کے گذرنے کے بعد غالباً حضرت رحمہ اللہ نے انہی صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ آؤ تمہیں بتلائیں قرآن ایسے پڑھا کرو۔ وہ جو قرآن میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے باتیں کرتے اور اس شجر سے سنتے تھے، اپنے کو وہی شجر تصور کرو اور پھر اپنے میں سے قرآن پاک کے نکلتے ہوئے الفاظ کو یوں سمجھو کہ خدائے پاک فرما رہے ہیں اور کانوں سے اسی انداز پر

سنو کہ میں اپنے اللہ کا کلام اللہ ہی کی آواز میں سن رہا ہوں اور یہ فرماتے ہوئے یہی کیفیت سراپا اپنے اوپر طاری کرلی اور فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ وہی کیفیت دل میں جیسے اتر گئی۔ وہی صاحب یوں بتلاتے ہیں کہ مدت تک ایسی ہی کیفیت کے ساتھ قرآن پاک پڑھنا نصیب ہوا اور بہت ہی لطف آیا اور یہ انداز قرآن پاک کی تلاوت کے سلسلہ کی ترقیوں میں نئے نئے اضافوں کا سبب بنا۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ: 237)

فَائِدَہ: قرآن پاک کی تلاوت میں صحیح لطف تو تبھی آتا ہے جب قرآن کا قاری یہ سمجھے کہ اللہ پاک سنا رہا ہے اور میں سن رہا ہوں لیکن اگر کسی کو یہ کیفیت نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ خیال تو ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ میری تلاوت سن رہا ہے اور جو بھی تلاوت کے دوران ایمانی اور احسانی کیفیات کا حصول چاہتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اس عظیم المرتبت کلام کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اس کے معانی میں غور وفکر کرتے ہوئے اس کی تلاوت کرے۔

خوش قسمت گھرانے:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے والد ماجد کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہیں قرآن کریم اتنا پختہ یاد تھا کہ پورے قرآن میں ایک بھی غلطی نہیں آتی تھی۔ خود حضرت شیخ بھی حافظ تھے اور کثرت سے تلاوت فرمایا کرتے تھے خصوصاً رمضان المبارک میں بیالیس سال سے زیادہ تک روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا آپ کا معمول رہا۔

اپنے گھر کی خواتین کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہمارے گھر کی مستورات میں میری بچیاں اللہ ان کو مزید قوت و ہمت عطا

فرمائے، کھانے پینے کے مشاغل اور بچوں کی پرورش کے ساتھ ساتھ کہ ماشاء اللہ ایک ایک کے کئی کئی بچے ہیں، ماہ مبارک کی راتوں کا اکثر حصہ مختلف حافظوں سے سننے میں گذارتی ہیں اور دن میں 15-14 پارے روزانہ پڑھنا تو اقل درجہ ہے اس پر تنافس اور مقابلہ ہوتا ہے کہ کس کے پارے زیادہ ہوئے۔ میری دادی صاحبہ نور اللہ مرقدھا حافظہ تھیں اس لئے ایک منزل کا تو ان کا مستقل معمول تھا اور ماہ مبارک میں 40 پارے یعنی ایک قرآن پورا کر کے دس پارے مزید روزانہ پڑھنا تو ہمیشہ کا معمول تھا اور اس کے علاوہ بیسیوں مختلف تسبیحات کئی کئی سو کی دائمی مشغلہ تھا جن کی تعداد 17 ہزار کے قریب ہوتی ہے۔ (اکابر کا رمضان: صفحہ 82)

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک رمضان میں، میں نے اپنے بعض دوستوں کو اکسٹھ قرآن ختم کرنے کے لیے لکھا، میرے دوستوں نے کوشش کی مولوی انعام نے اکسٹھ قرآن سنائے، ایک نے چھپن اور بعض لوگوں نے ساٹھ ساٹھ ختم کیے۔

(ایضاً: 26)

فَائِدَة: کیا خوش قسمت گھرانے ہیں جن کے چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورتیں سبھی تلاوت وعبادت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، وہ اپنی خواتین کو زیور اور کپڑے میں تنافس اور مقابلہ بازی کا سبق نہیں دیتے بلکہ حسنات میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کرتے ہیں۔ اگر یہ جذبہ پوری امت کے دل میں پیدا ہو جائے تو ہماری ذلت، عزت سے اور بے سکونی، سکون سے بدل جائے گی۔

دِلوں کی حرکت:

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری قدس سرہٗ مرشد خاص مولانا حکیم

محمد اختر صاحب زید مجدھم اپنے حضرت کے حالات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''یوں تو ظہر کے وضو سے عشاء کی نماز ہمیشہ پڑھنے کا معمول تھا لیکن ایک بار حیرت انگیز بات دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ تہجد کے وضو سے عشاء کی نماز پڑھی، اکثر ظہر اور عصر تک بھی تلاوت میں مشغول دیکھا اور عصر کے بعد اگر کوئی طالب یا مہمان موجود ہوتا تو اس کو کچھ تعلیم ارشاد فرماتے ورنہ عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔''

حضرت والا کی تلاوت کا ایک خاص انداز دیکھا وہ یہ کہ تقریباً 9 یا 10 آیتوں کی تلاوت کے بعد زور سے آہ فرماتے ہیں یا اللہ فرماتے ہیں اور اس وقت ایسی کیفیت آہ اور اللہ میں موجود ہوتی ہے کہ سننے والے کا دل حرکت میں آجاتا ہے۔

(معرفت الٰہیہ: صفحہ 35)

فَائِدَۃ: جن کے دلوں میں ایمان کی حرکت اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے ان کی زبان سے نکلنے والے سیدھے سادے الفاظ دوسرے دلوں میں بھی حرکت اور حرارت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں لیکن جن کے دل خود سوز و گداز سے خالی ہوں وہ کلام اللہ کی تلاوت بھی کریں تو سننے والوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو عارضی ہوتا ہے۔

غور و تدبر:

مرشدی شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم اپنے والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی تلاوت کا حال لکھتے ہیں:

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو تلاوت قرآن کا خاص ذوق تھا۔ خاص طور پر عمر کے آخری پندرہ بیس سالوں میں آپ گوناگوں مصروفیات کے باوجود بڑے اہتمام

کے ساتھ کئی کئی پارے روزانہ تلاوت کے لئے وقت نکالتے تھے۔ ایک چھوٹی سی حمائل ہمیشہ آپ کے دستی بیگ میں ساتھ رہتی تھی اور جب کبھی ذرا موقع ملتا آپ اس میں تلاوت شروع کر دیتے۔

خاص طور سے جب آپ کو کہیں جانا ہوتا تو کار میں سفر کے دوران بیشتر وقت آپ تلاوت میں صرف فرماتے۔ اس کے علاوہ گھر میں نماز فجر اور نماز عصر کے بعد آپ کی تلاوت کے خاص اوقات تھے۔ آپ کی یہ تلاوت محض برائے تلاوت ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ اس دوران آپ قرآن کریم میں تدبر فرماتے تھے۔ احقر نے بارہا دیکھا کہ تلاوت کے دوران آپ اچانک رک گئے ہیں۔ اور دیر تک ایک ہی آیت کو پڑھ کر اس میں غور فرما رہے ہیں۔ اس تدبر کے دوران اللہ تعالیٰ آپ پر قرآن کریم کے حقائق ومعارف سے متعلق عجیب نکات منکشف فرماتے تھے۔ جب کبھی تلاوت کے وقت ہم لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوتے تو اکثر نو وارد نکات ہمیں بھی بتلادیا کرتے تھے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ تلاوت کرتے ہوئے آپ احقر کو یا برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم کو باقاعدہ متوجہ فرماتے اور ہم سے سوال کرتے کہ دیکھو اس آیت میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے حالانکہ بات دوسرے لفظ سے بھی واضح ہوسکتی تھی خاص طور پر اس لفظ کے انتخاب میں کیا حکمت ہے؟ اور جب ہم عام طور پر جواب نہ دے پاتے تو پھر خود ہی کوئی لطیف نکتہ بیان فرماتے جس سے مشام روح معطر ہو جاتا۔ (البلاغ بیادِ فقیہ ملت: صفحہ 440)

فَائِدَہ: غور وتدبر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنا اہل علم کا خاص شعار ہے اور جب اس ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ زنی کرتے ہیں تو ہر غوطے میں ایسے جواہر ریزے ان کے ہاتھ آتے ہیں جن سے خالی الفاظ کی تلاوت کرنے والے کا دامن

خالی رہتا ہے۔

انداز محبت:

حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ قرآن کریم کو چومتے تھے اور یہ کلمات کہتے تھے:

''عَهْدُ رَبِّيْ وَمَنْشُوْرُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ.''

''یہ میرے رب کا عہد ہے اس کے قوانین کا مجموعہ ہے۔''

مولویوں میں سے ہم نے کسی کو قرآن کریم کو چومتے نہیں دیکھا البتہ استاد محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ قرآن مجید کو چوما کرتے تھے۔

تلاوت سے قبل قرآن کریم کو چوما کریں، آنکھوں سے لگائیں، دل سے لگائیں سر پر رکھیں اور چومتے ہوئے کہیں:

''عَهْدُ رَبِّيْ وَمَنْشُوْرُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ.''

''یہ میرے رب کا عہد نامہ اور قوانین کا مجموعہ ہے۔'' (حقوق القرآن: صفحہ 3)

فائدہ: کہا جاتا ہے کہ محبت، انداز محبت خود سکھا دیتی ہے، جسے قرآن سے محبت ہوگی اسے محبت کے انداز بھی خود ہی آجائیں گے۔ اس عظیم کتاب سے جتنی بھی محبت کی جائے اور اس کا جتنا بھی ادب واحترام کیا جائے وہ کم ہے۔ اس سے محبت کرنے والے خود محبوب بن جاتے ہیں اور اس کا احترام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں محترم بنا دیتا ہے۔

نظم الاوقات:

عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبد الحی عارفی رحمہ اللہ کے وقت کی قدر دانی کے

متعلق محمد عشرت علی قیصر صاحب رقم طراز ہیں:

بار بار حضرت کی زبانِ مبارک سے یہ سنا کہ عمر بھر کے تجربہ کی ایک بات بتاتا ہوں کہ نظم الاوقات کی پابندی کرو پھر وقت تمہارا خادم بن جائے گا۔ حضرت اپنے معمولات وقت پر ادا کرنے کی ایک مثال تھے کہ شاذ ونادر ہی کوئی معمول چھوٹا ہو۔ فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ سے جو معمولات شروع کیے وہ الحمدللہ آخر زندگی تک ہوتے رہے۔ صبح کو تلاوتِ قرآن کا جو وقت مقرر تھا بلاناغہ اسی وقت تلاوت کرتا تھا۔ فرمایا ایک مرتبہ کالج کے ہوسٹل میں حسبِ معمول تلاوت کر رہا تھا کہ ایک ہم جماعت میرے کمرے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی گھڑی درست کرنے لگا میں نے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ گھڑی بند ہو گئی تھی وقت ملا رہا ہوں کیوں کہ آپ روزانہ ٹھیک اسی وقت تلاوت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ عمر بھر میں نے وقت پر کام کیا ہے۔ چنانچہ اس پیرانہ سالہ، ضعیفی اور بیماری کے باوجود جب رات کے دو بجتے ہیں تو وقت خود مجھے کھڑا کر دیتا ہے حالانکہ نہ جسم میں طاقت ہے اور نہ ہمت۔

(حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی رحمہ اللہ، تالیف میر ریاض الدین: صفحہ 202)

فَائِدَۃ: جو لوگ خواہشات کا غلام بننے کے بجائے خواہشات کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں وہ زندگی کا کوئی لمحہ بھی فضول نہیں جانے دیتے، ان کے اوقات ایسے کاموں میں بسر ہوتے ہیں جن میں دین یا دنیا کا کوئی فائدہ ہوتا ہے، بیماری بڑھاپا اور کوئی بھی مجبوری انہیں معمولات کے نبھانے سے باز نہیں رکھ سکتی۔

اللہ رے استقامت:

شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

حضرت عارفی رحمہ اللہ اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے۔ آپ اپنے ایک ایک

لمحہ سے کام لینے والے تھے، آپ کا ذرا سا وقت بھی بے کار یا ضائع نہ جاتا۔ فرماتے تھے کہ اگر کسی دن معمولات پورے ادا کرنے کی مہلت نہ ملے تو وقت معین پر جتنا بھی ممکن ہو اس پر عمل کر لیا جائے ناغہ نہ کیا جائے کیوں کہ ناغہ سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔ اپنے مرض الوفات میں کہ دو دن بعد دنیا سے رحلت فرمانے والے ہیں، بیماری کا شدید حملہ ہے اور دردِ شکم کی سخت ناقابل برداشت تکلیف ہے کسی پہلو چین نہیں ہے صبح کو معمول پورا کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم لاؤ تا کہ تلاوت کا معمول پورا کرلوں خدام نے عرض کیا کہ ایسی شدید تکلیف میں اگر اس کو مؤخر فرمادیں تو اچھا ہے فرمایا نہیں جتنا ممکن ہوگا تلاوت کرلوں گا چنانچہ قرآن پیش کیا گیا آپ نے اس کو کھول کر ایک صفحہ کی تلاوت فرمائی پھر مناجات مقبول کا بھی ایک صفحہ تلاوت کر کے واپس کر دیا۔ (البلاغ بیادِ حضرت عارفی رحمہ اللہ :صفحہ 121)

فَائِدَہ: جن حضرات نے کرامات ہی کو ولایت کا معیار بنا رکھا ہے وہ غور فرمائیں کہ اس سے بڑی کرامت کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنے دینی معمولات کو نہ کالج کے آزادانہ ماحول میں چھوڑتا ہے نہ مریضوں اور مریدوں کے جھرمٹ میں ان کا ناغہ کرتا ہے اس کے راستے میں نہ شباب کی گرمیاں رکاوٹ بنتی ہیں نہ بڑھاپے اور کمزوری کی سردیاں سدِّ راہ ہوتی ہیں۔

ایکسپریس گاڑی:

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ علماء، طلبہ اور حفاظ کو (خصوصی طور پر) تہجد کی پابندی اور تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی تاکید فرمایا کرتے اور فرماتے کہ قرآن کریم بڑی نعمت ہے خود چوں کہ حافظِ قرآن نہ تھے اس لئے افسوس رہتا۔ فرمایا: صبح کو جب میں فجر کے لئے مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو میرا دل ان

لوگوں کے لئے دعا کرتا ہے جو تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں۔

تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے کہ ایک روز ایک قاری صاحب جو میرے دوست تھے، میری ملاقات کے لئے تشریف لے آئے، رمضان المبارک کے آخری ایام تھے وہ بڑا نفیس قرآن پڑھتے تھے میں نے کہا کہ بجائے وقت گذارنے کے چلو نفل پڑھتے ہیں چنانچہ ان قاری صاحب نے نفل کی نیت باندھ لی اور میں نے ان کی اقتداء کی، بس پھر تو کیا پوچھنا وہ تو پڑھتے چلے گئے اور میں لطف اٹھاتا چلا گیا اور ایکسپریس گاڑی کی طرح سورتوں کے اسٹیشنوں کو طے کرتے چلے گئے اور سحری سے پہلے پورے قرآن کریم کو دو رکعتوں میں ختم کر ڈالا۔ (بینات بیاد محدث العصر)

ایک ہی ہیئت پر:

حضرت بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے کہ جب میں دیوبند میں طالب علم تھا تو ایک روز میں نے فجر کی نماز ایک چھوٹی سی کچی عمارت کی مسجد میں پڑھی جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی، نماز کے بعد میں نے اپنی چادر اسی کچے فرش پر بچھادی اور قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی جمعہ کی نماز تک ایک ہی نشست میں ایک ہی ہیت پر چھبیس پارے پڑھ لیے اور چوں کہ جمعہ کی نماز کے لیے کسی دوسری مسجد میں جانا ناگزیر تھا اس لیے پورا نہ کر سکا ورنہ پورا قرآن ختم کر لیتا۔

فائدہ: یہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے دورِ طالب علمی کا واقعہ ہے جسے عام طور پر لہو ولعب اور لا ابالی پن کا دور سمجھا جاتا ہے۔

ان طالب علم ساتھیوں کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے جو جمعہ جیسے مبارک دن کو کھیل کود میں گذار دیتے ہیں بالخصوص کرکٹ جیسے فضول کھیل کی وباء سے دینی مدارس کے طلبہ بھی متاثر ہو رہے ہیں حالانکہ یہ ان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اپنے

اوقات کھیلوں کی کمنٹری سننے یا دیکھنے میں گذار دیں۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ کی ہمت دیکھئے کہ چھبیس پاروں کی تلاوت ایک ہی نشست میں اور ایک ہی ہیت پر انہوں نے کی۔ اللہ تعالیٰ ایسی ہمت اور ذوق شوق ہم سب کو عطا فرمائے۔

سماع اور گریہ:

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾ (سورة المائدة)

تَرجَمَة: ''اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں دیکھیں گے کہ ان سے آنسو بہہ رہے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔''

یہ آیت کریمہ حضرت بنوری رحمہ اللہ پر پوری طرح صادق آتی تھی آپ جب بھی قرآن کریم سنتے آنکھیں بے ساختہ فوارے کی طرح بہہ پڑتیں اسی طرح تراویح میں بھی بہت گریہ فرماتے، کبھی کبھی یہ کیفیت ترویحوں کے درمیان بھی رہتی اور فرماتے:

''بڑی نعمت ہے قرآن'' (بینات بیاد محدث العصر: صفحہ 705)

حیرت انگیز حافظہ:

محترم مفتی محمد ابراہیم صاحب زید مجدھم اپنے شیخ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: سیدی و مرشدی حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتھم اپنے حفظ قرآن کا واقعہ بیان فرماتے ہیں: جب تینوں لڑکوں کے حفظ قرآن کے بعد ۱۳۸۷ھ میں چھوٹی بچی اسماء سلمہا اللہ تعالیٰ نے بھی حفظ قرآن کی تکمیل کر لی تو خیال ہوا کہ میں نے

اپنے بچوں کو حافظ بنا کر اپنے لیے اور اپنی اہلیہ کے لئے جنت میں تاج کی فضیلت کا سامان تو کر لیا لیکن اپنے والدین کے لیے میں نے کچھ نہیں کیا۔ اس پر حفظ قرآن کا داعیہ پیدا ہوا چنانچہ گوناگوں مصروفیات کے باوجود تقریباً تین ماہ کی مدت میں میں نے قرآن کریم حفظ کر لیا' فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ"

حضرت والا نے فرمایا:

تجربہ سے ثابت ہوا کہ میں ایک گھنٹے میں ایک پارہ بہ سہولت حفظ کر سکتا تھا چنانچہ پہلی بار پورا رکوع دیکھ کر توجہ سے ذہن نشین کر کے پڑھتا دوسری بار زبانی پڑھتا تو چند الفاظ میں اٹکتا۔ تیسری بار میں پورا رکوع صاف ہو جاتا۔ (انوار الرشید: 1/ 335)

یہ بھی یاد رہے کہ تکمیل حفظ کے وقت حضرت والا کی عمر چھیالیس برس تھی۔

شغفِ قرآن:

مفتی محمد ابراہیم صاحب فرماتے ہیں کہ:

یوں تو حفظ سے پہلے بھی اور روزِ اوّل سے ہی حضرت والا کو تلاوتِ قرآن سے خاص شغف تھا مگر تکمیلِ حفظ کے بعد یہ شغف و تعلق پہلے سے دو چند ہو گیا اور اپنے قیمتی اوقات کا ایک معتد بہ حصہ آپ تلاوت میں بسر کرنے لگے چنانچہ شروع میں دس پارے یومیہ پڑھنے کا معمول رہا، پانچ پارے دن میں ناظرہ تلاوت اور پانچ پارے رات کو تہجد میں۔ پھر رفتہ رفتہ جب قرآن پوری طرح پختہ ہو گیا تو مقدار گھٹا دی اور دن کی تلاوت کے بجائے قیام اللیل میں پانچ پاروں پر اکتفاء کر لی، اس وقت جب کہ حضرت والا کی عمر اسی سال سے متجاوز ہے ایک پارہ تلاوت کا معمول ہے یہ مقدار گو کمیت میں کم ہے مگر کیفیت ایسی کہ وہ پڑھیں اور سنا کرے کوئی، کوئی ماہر سے ماہر اور مشاق قاری بھی اس سے عمدہ کیا پڑھتا ہوگا۔ دورانِ تلاوت حضرت پر عجیب وارفتگی

کی کیفیت طاری رہتی ہے، آیاتِ رحمت پڑھتے ہوئے جھوم جھوم اٹھتے ہیں اور آیات عذاب پر کانپ جاتے ہیں۔ ایک بار نماز فجر میں ''سورۂ عبس'' پڑھتے ہوئے آواز بھرا گئی اور ایسا گریہ طاری ہوا کہ سورہ ختم ہونے سے پہلے رکوع میں جھک گئے۔ اسی طرح ایک بار ''سورہ غاشیہ'' پڑھتے ہوئے یہی کیفیت طاری ہوئی۔ بسا اوقات حضرت والا تلاوت کرتے ہوئے کسی ایک آیت میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ دیر تک ٹھہرے اسی کو دہراتے رہتے ہیں، ایسا واقعہ آپ نے اپنے ہی الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

مال بڑھانے والے:

جب میں دارالعلوم کورنگی میں تھا ایک بار وہاں سے شہر کی طرف آنا ہوا راستہ میں تلاوت شروع کر دی، مختلف کاموں کی وجہ سے مختلف مقامات پر جانا پڑا، دارالعلوم واپسی تک تقریباً تین گھنٹے میں ایک ہی آیت دہراتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اس ایک آیت میں ایسا مزہ آیا کہ بار بار اسی کا تکرار۔ آیت بھی بتا دوں حالانکہ بظاہر عوام یہ سمجھیں گے کہ اس میں کوئی خاص بات نہیں:

﴿ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹ ﴾ (سورۃ الروم)

اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل ہو؟ بس اسی خیال میں محو ہو گیا۔ اتنا مزہ آیا اتنا مزہ آیا کہ اب چھوڑیں تو کیسے چھوڑیں؟ فرمایا تم لوگ سمجھتے ہو کہ سودی لین دین اور ناجائز آمدنی کے ذریعہ مال جمع ہوتا ہے مگر اس طریقہ سے جمع نہیں ہوتا۔ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یہی لوگ ہیں مال بڑھانے والے، یہ ایسے ہوشیار تاجر ہیں کہ ان کو مال بڑھانے کا بہت عمدہ نسخہ معلوم

ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان کا مال بڑھتا ہے بلکہ فرمایا: ﴿ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جو مال بڑھانے کے ماہر ہیں۔ ''یضعفون'' نہیں ﴿الْمُضْعِفُوْنَ﴾ فرمایا یہ صفت کا صیغہ ہے جو مہارت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ مال بڑھانے میں خوب مہارت رکھتے ہیں یہ لوگ کون ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (حقوق القرآن: صفحہ 5)

جیسا باپ ویسا بیٹا:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب زید مجدھم کو عشق قرآن کی یہ دولت وراثت میں ملی ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد سلیم صاحب قدس سرہ (جو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مرید باصفا اور پورے حلقہ میں صاحب الرویا کے لقب سے معروف تھے) کو بھی تلاوت سے عشق تھا جو حضرت والا کے نام اپنے ایک نجی خط میں انہوں نے تحریر فرمایا:

مسجد سے بجلی چلی گئی، میں نے تراویح کے بعد چراغ کی لو پر قرآن کریم پڑھنا شروع کیا اور نماز فجر تک پورا قرآن ختم کرلیا۔ (انوار الرشید: 1/236)

اس وقت آپ کی عمر ترانوے برس تھی۔ پھر طرہ یہ کہ رات بھی موسم گرما کی۔ وفات کے وقت آپ پر عجیب کیفیت طاری تھی، بلند آواز سے مزے لے لے کر یہ شعر پڑھ رہے تھے:

روز محشر ہر کسے در دست دارد نامہ
من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن در بغل

''قیامت کے دن جب کہ ہر شخص اپنا اعمال نامہ ہاتھ میں لیے ہوگا میں بھی بغل میں تفسیر قرآن لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔''

اور وجد میں آکر یہ شعر پڑھتے جاتے:

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوشِ محبت میں بٹھا

اسی کیف وسرور میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

زندہ معجزہ:

امام القراء حضرت اقدس مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی قدس سرہ کو فنافی القرآن کا درجہ حاصل تھا۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدھم نے بجا طور پر تحریر فرمایا:

''حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب بلاشبہ اس دور میں قرآن کریم کا زندہ معجزہ تھے۔ ان کے اوصاف وکمالات کو اگر آنکھوں سے دیکھا نہ ہوتا تو صرف لوگوں کے کہنے سے یقین آنا مشکل ہوتا۔ (نقوشِ رفتگاں: صفحہ 242)

ان کی زبان تو تقریباً ہر وقت قرآن کریم کی تلاوت سے شاداب رہتی لیکن ان کی سوچ، ان کے قلب وذہن اور فکر وخیال کا محور بھی قرآن کریم ہی تھا۔ بس فکر ہر وقت یہ تھی کہ قرآن کریم کی تعلیم اور نشر واشاعت کا بہتر سے بہتر کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟ یہ منظر تو سینکڑوں انسانوں نے دیکھا ہوگا کہ حضرت قاری صاحب بیک وقت کئی کئی حفاظ سے قرآن کریم اس طرح سنتے تھے کہ ہر شخص مختلف مقامات سے قرآن کریم پڑھتا ہوتا تھا اور قاری صاحب بیک وقت سب کی غلطیاں بتایا کرتے تھے۔ حضرت قاری صاحب کو قرآن کریم کی متواتر قرائتیں اور ان کی مختلف روایات اس طرح ازبر تھیں جیسے عام مسلمانوں کو سورۂ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔ وہ رمضان المبارک کی راتوں میں سحری تک تراویح پڑھاتے تھے اور ایک ایک رات میں سات سے لے کر دس پاروں تک تلاوت فرماتے تھے اس طرح تیسرے چوتھے دن قرآن ختم فرماتے

اور پھر کسی اور قراءت یا روایت میں تلاوت شروع فرما دیتے چنانچہ رمضان المبارک کے اختتام تک نو دس قراءتوں میں قرآن کریم ختم فرما لیتے۔ (نقوشِ رفتگاں: صفحہ 243)
پانی پت میں آپ کے معمولاتِ رمضان کے متعلق ایک شاگردِ رشید کی روایت ہے:
"تراویح کے بعد صبح تک نوافل میں پڑھتے رہتے تھے اور کمال یہ تھا کہ آپ کھڑے کھڑے ہی نیند نکال لیتے تھے۔ آپ نے دو طلبہ کی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ رات کو جس وقت مجھے کھڑے کھڑے نیند آئے تو کندھا ہلا دیا کرو یا پھر فوارہ سے پانی مار دیا کرو لیکن کمال بالائے کمال یہ تھا کہ نیند کے بعد آپ وہیں سے پڑھتے تھے جہاں چھوڑا ہوتا۔" (سوانح فخریہ: صفحہ 290)

شکر نہ کہ شکوہ:

حضرت قاری فتح محمد نور اللہ مرقدہ آنکھوں سے نابینا تو تھے ہی، آخر عمر میں فالج کی وجہ سے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے اور قوت گویائی نے ساتھ چھوڑ دیا اب نہ بینائی تھی نہ قوت گویائی تھی اور نہ ہی ہاتھوں پیروں میں دم تھا لیکن اس کے باوجود وہ سراپا شکر تھے اور ان کے کسی انداز سے قسمت کا شکوہ ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ ان سطور کا ناچیز راقم (شیخوپوری) مسجد نبوی میں حضرت قاری صاحب کی زیارت سے مشرف ہوا جہاں وہ معتکف تھے، میں نے دیکھا کہ تراویح سے فارغ ہونے کے بعد آپ لیٹ جاتے (کیونکہ فالج کی وجہ سے بیٹھنا مشکل تھا) اور آپ کا کوئی نہ کوئی شاگرد آپ کو قرآن سنانے لگتا، گویا زبانِ حال سے وہ کہہ رہے تھے کہ کیا ہوا اگر میری آنکھیں قرآن کو دیکھ نہیں سکتیں اور میری زبان اسے پڑھ نہیں سکتی میرے کان تو اسے سن سکتے ہیں تو میں اپنے آپ کو اس کلام مقدس کے سماع سے اور اس کے انوار و برکات سے کیوں محروم رکھوں۔ (بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فالج کے باوجود آپ زیر لب مسلسل

تلاوت فرماتے رہتے تھے۔)

آپ کے اس مجاہدہ میں ہمارے جیسے کمزوروں کے لئے بڑا سبق ہے جو معمولی اعذار کی بناء پر نفلی عبادات تو رہیں ایک طرف، فرض عبادات بھی چھوڑ دیتے ہیں۔

بخشش کا سامان:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ ایک بزرگ نے سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد انہیں خواب میں دیکھا، پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا کہ ایک رات میں کسی قصبہ میں مہمان تھا، جس مکان میں ٹھہرا تھا وہاں طاق پر قرآن شریف کا ایک ورق رکھا تھا، میں نے خیال کیا یہاں ورقِ مصحف رکھا ہوا ہے، سونا نہ چاہیے، پھر دل میں خیال آیا کہ ورق مصحف کو کہیں اور رکھوا دوں اور خود یہاں آرام کروں پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں، اس ورق کو دوسری جگہ منتقل نہیں کیا اور تمام رات جاگتا رہا۔ میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اس کے بدلے حق تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا۔ (دلیل العارفین، مجلس پنجم، صفحہ:22)

فائدہ: محمود غزنوی رحمہ اللہ نے جو کچھ کیا یہ ان کا حسن ادب تھا اور شاید سونے کی صورت میں اس ورق کی بے ادبی کا اندیشہ ہوگا ہمیں اگرچہ اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ تم محض اندیشہ کی صورت میں بھی آرام نہ کرو لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں حسن ادب کی بھی بڑی قدر ہے۔

مراتبِ تلاوتِ قرآن:

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ تلاوتِ قرآن کے مراتب اس طرح بیان فرمائے کہ: پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اس

کے معانی پہ دل گذارے، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق اور مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے کم از کم ہر شخص میں یہ شعور تو ہونا چاہیے کہ میں اس نعمت کے لائق کہاں تھا اور میرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پڑھنے پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے اس کو ذہن میں تازہ اور مستحضر رکھا جائے۔ (فوائد الفواد: صفحہ 71، بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت: 3/134)

کسی کے کلام میں نہیں:

مترجم ومفسر قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے "موضح القرآن" کے مقدمہ میں غالباً یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ تمام باطنی امراض کا علاج صرف قرآن میں ہے نہ قرآن سے بہتر انداز میں کوئی ان امراض کی نشاندہی کر سکتا ہے اور نہ ہی قرآن جیسا اثر کسی دوسرے کلام میں ہو سکتا ہے لیکن اپنا یہ مدعا بیان کرنے کے لیے جو سادہ اور دل نشیں عبارت تحریر فرمائی ہے، اس سے زیادہ سادگی اور چاشنی شاید ہی کسی دوسری عبارت میں پائی جا سکے فرماتے ہیں:

"بتانے والے بہتر ابتائیں جیسا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے ویسا کوئی نہیں بتا سکتا اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں۔" (مقدمہ "موضح القرآن")

ملکوتی تلاوتِ قرآن:

حال ہی میں حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی ایک کتاب "احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن" شائع ہوئی ہے اس کتاب میں حضرت گیلانی نے اپنے اساتذہ کا تذکرہ بھی کیا ہے ان اساتذہ میں حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ بھی شامل

ہیں۔ایک جگہ مذکورہ بالا عنوان کے تحت ان کی تلاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ قرآن کے حافظ تھے، میں نے سنا ہے کہ مغرب کے بعد اوّابین والی نماز میں آٹھ پارے روزانہ پڑھنے کے ملتزم تھے۔اپنی مسجد میں امامت خود کرتے تھے، ان کی قراءت پر ایک سیدھے سادے ہندوستان کے قصباتی مسلمان کے لب ولہجہ کا رنگ غالب تھا، اگرچہ اصولاً تجوید کے ہر قاعدے کی پوری رعایت کی جاتی تھی بلکہ شاید تجویدی اصولوں کے مطابق قرأت کی عادت ہوگئی تھی لیکن مصنوعی قرأت سے دور کا سروکار بھی ان کی یہ قرأت نہیں رکھتی تھی، کبھی کبھی کسی وقت نماز پڑھ لینے کی سعادت اس کور بخت کو بھی اللہ کے اس ولی کے پیچھے میسر آجاتی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا شبیر احمد (عثمانی) مرحوم پر صوفیانہ مشاغل کا غلبہ تھا، مفتی صاحب کی مسجد کے حجرے میں وہ چلّہ کش تھے فقیر بھی تراویح کے وقت حاضر ہوجاتا اور چند ٹوٹے پھوٹے سننے والے مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوجاتا، ایسا کیوں کرتا تھا، نہ قرأت ہی میں کان کو کوئی خاص لذت ملتی تھی نہ کچھ اور تھا لیکن دل یہی کہتا تھا کہ شاید زندگی میں پھر ایسے سیدھے سادے لہجے میں قرآن سننے کا موقع نہ ملے گا اور دل کا یہ فیصلہ صحیح تھا۔نمازیوں میں مولانا شبیر احمد رحمہ اللہ بھی شریک رہتے تھے۔اسی زمانہ میں ایک دفعہ جو واقعہ پیش آیا، اب بھی جب اسے سوچتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل کانپنے لگتا ہے، مفتی صاحب قبلہ حسب دستور وہی اپنی نرم نرم سبک رو آواز میں قرآن پڑھتے چلے جاتے تھے اسی سلسلہ میں قرآنی آیت:

﴿ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝٤٨ ﴾ (سورة ابراهيم)

تَرجَمة: ''اور لوگ کھل کر اللہ کے سامنے آگئے جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے۔''

پر پہنچے، نہیں کہہ سکتا کہ مفتی صاحب خود کس حال میں تھے، کان میں قرآن کے یہ الفاظ پہنچے اور کچھ ایسا معلوم ہوا کہ کائنات کا سارا حجاب سامنے سے اچانک ہٹ گیا اور انسانیت کھل کر اپنے وجود کے آخری سرچشمے کے سامنے کھڑی ہے، گویا جو کچھ قرآن میں کہا گیا تھا محسوس ہوا کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے اپنے آپ کو اس حال میں پا رہا تھا، شاید خیال یہی تھا کہ غالباً میرا یہ ذاتی حال ہے مگر پتہ چلا کہ میرے اغل بغل جو نمازی کھڑے ہوئے تھے ان پر بھی کچھ اسی قسم کی کیفیت طاری تھی، مولانا شبیر احمد رحمہ اللہ کی بے ساختہ چیخ نکل پڑی، یاد آرہا ہے چیخ کر غالباً وہ تو گر پڑے، دوسرے نمازی بھی لرزہ براندام تھے، چیخ وپکار کا ہنگامہ ان میں برپا تھا لیکن مفتی صاحب کوہِ وقار بنے ہوئے امام کی جگہ اسی طرح کھڑے تھے، جدید کیفیت ان پر جو تھی وہ صرف یہی تھی کہ خلافِ دستور بار بار اس آیت کو مسلسل دہراتے چلے جاتے تھے جیسے جیسے دہراتے، نمازیوں کی حالت غیر ہوتی تھی آخر صف درہم برہم ہوگئی، کوئی ادھر گرا ہوا تھا کوئی ادھر پڑا ہوا تھا آہ آہ کی آواز مولانا شبیر احمد رحمہ اللہ کی زبان سے نکل رہی تھی، صف پر ایک طرف وہ بھی پڑے ہوئے تھے، کچھ دیر کے بعد لوگ اپنے آپ میں واپس ہوئے، تازہ وضو کر کے پھر نئے سرے سے صف میں شریک ہوئے، جہاں تک خیال آتا ہے مفتی صاحب دار و گیر، چیخ وپکار، صیحہ اور نعرہ کے ان کے تمام ہنگاموں میں اپنی جگہ کھڑے ہوئے اس آیت کریمہ کی تلاوت میں مشغول رہے جب دوبارہ صف بندی ہوئی تب پھر آگے بڑھے۔ (احاطہ دار العلوم: صفحہ 190)

ستر سال کی تلاوت کا صلہ:

قاری عصمت اللہ پانی پتی ایک مشہور قاری گذرے ہیں، جب وہ دنیا سے جا رہے تھے اسی سال عمر تھی، کسی نے وفات سے تھوڑی دیر پہلے سوال کیا حضرت کیا حال ہے؟

فرمایا: ستر سال تک جس قرآن کی تلاوت کی تھی وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے مجلد خوبصورت جلد میں دیا جارہا ہے اور ساتھ ہی فرمایا:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ (سورۃ الجمعة)

تَرْجَمَة: ''یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' (سورہ جمعہ) یہ کہتے ہی روح پرواز کر گئی۔

(درس قرآن مجید، مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ اپریل 1977ء)

فَائِدَة: اس میں شک نہیں کہ انسان زندگی بھر جن چیزوں کا تذکرہ کرتا رہتا ہے موت کے وقت بھی انہی چیزوں کا تذکرہ اس کی زبان پر ہوتا ہے، ایسے بدنصیب بھی ہیں جن کی زبان پر موت کے وقت گالیاں، مالی جھگڑے، گانوں کے بول، فلمی ڈائیلاگ اور شہوانی کلمات ہوتے ہیں اور ایسے خوش نصیب بھی ہیں کہ دنیا سے جاتے ہوئے ان کی زبان پر قرآنی آیات، کلمہ طیبہ، درود شریف، ایمانی جذبات، جنت کا اشتیاق اور لقاء مولیٰ کی آرزو ہوتی ہے...... اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے ہی خوش نصیبوں میں سے بنادے۔

ایک سچے خادم قرآن کے واقعات:

حضرت قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہ جنہیں بجا طور پر جزری وقت کہا جاتا ہے، وہ ان برگزیدہ انسانوں میں سے تھے جو غفلت زدہ انسانوں کو علم وعمل کی راہ پر لگانے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت قاری صاحب کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی زندگی کے ماہ وسال یا شب وروز ہی نہیں بلکہ ان کے لمحات اور لحظات تک خدمت قرآن کے لیے وقف تھے۔

حضرت کے تلامذہ میں سے آپ کے مشہور تلمیذ قاری عظیم بخش صاحب نے حضرت کے بہت سارے سبق آموز واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک آدھ واقعہ ان کا گوش شنید اور باقی تمام واقعات چشم دید ہیں۔ یہ تمام واقعات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں، ان سطور کے ناچیز راقم کے دل پر ان واقعات نے بڑا اثر کیا ہے امید ہے قارئین بھی ضرور متاثر ہوں گے......

اُستاد اور شاگرد:

حضرت قاری صاحب مرحوم کے استاذ گرامی حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کبھی ان کے ہاں تشریف لاتے تو آپ ان کی خدمت کے لئے سراپا وقف ہو جاتے۔ آپ کو یہ بھی گوارا نہ ہوتا کہ آپ کا کوئی مخلص شاگرد ہی ان کی خدمت انجام دے۔ اپنے ہاتھ سے انہیں بیت الخلاء لے جاتے خود ان کے لئے لوٹا بھرتے اور اپنے ہاتھ سے ہی وضو کراتے۔ ادھر حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کی کیفیت یہ تھی کہ ہمہ وقت تلاوت میں مشغول رہتے، بیت الخلاء کے دروازہ پر پہنچ کر انگلیوں سے زبان پکڑ لیتے، اور سال کے تقریباً بارہ مہینے ہی آپ روزہ سے رہتے، قاری رحیم بخش صاحب مرحوم آپ کے لئے افطاری کا اہتمام کرتے اپنے ہاتھ سے آپ کو کھلاتے پلاتے اور جو بچ جاتا تبرک سمجھ کر خود استعمال کر لیتے۔ عشاء کے بعد دس سے گیارہ بجے تک عموماً استاد و شاگرد کی مجلس ہوتی۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد حضرت قاری فتح محمد رحمہ اللہ نوافل شروع کر دیتے درمیان شب میں بمشکل ڈیڑھ دو گھنٹے آرام فرماتے باقی ساری رات نوافل میں بسر ہوتی اور نماز فجر میں آپ عموماً سورۂ حدید، مجادلہ، حشر اور صف وغیرہ پڑھتے۔

عبادت و تلاوت:

حضرت قاری رحیم بخش صاحب مرحوم مغرب کے بعد چھ طویل رکعتیں آدھ گھنٹے

میں پڑھتے ۔ میرا اندازہ ہے کہ ان میں ایک پارہ پڑھتے ہوں گے۔

قاری عبداللہ صاحب مرحوم فرماتے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا والد صاحب کی کبھی تہجد فوت ہوتے نہ دیکھی اور تہجد میں تین پارے پڑھنے کا دائمی معمول تھا۔

تلامذہ پر توجہ:

جیسے آپ کی اپنی پوری زندگی قرآن کے لئے وقف تھی اپنے تلامذہ کو بھی اسی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کرتے، ہر طالب علم کو نصیحت فرماتے کہ قرآن کو مقصد زندگی بناؤ، تدریس کے علاوہ تلاوت کا بھی معمول بناؤ اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھنے کی عادت ڈالو۔ تلامذہ میں مدرسین زیارت کے لئے حاضری دیتے ان سے ملتے ہی پہلا سوال یہی فرماتے کہ کتنے پارے روز تلاوت کرتے ہو؟

اگر 2-3 پارے بتائے جاتے تو اس پر بھی ناگواری کا اظہار فرماتے کہ کم ازکم ایک منزل تو پڑھو ورنہ آگے تمہارے شاگردوں میں تلاوت کا ذوق کہاں سے آئے گا؟ خود میرے ساتھ کئی بار یہ واقعہ پیش آیا، اگر شک پڑ جاتا تو فرماتے مجھے کیسے معلوم ہو کہ واقعی اتنے اتنے پارے پڑھتے ہو؟ تو درمیان میں کہیں کہیں سے سن کر اطمینان کر لیتے خود مجھ سے کئی بار سنا۔

لمحوں کا مصرف:

آپ کا اپنا معمول یہ تھا کہ درسگاہ میں بیٹھے دورانِ تدریس ذرا سا وقفہ مل جاتا تو تلاوت شروع کر دیتے ایک لحہ بھی فارغ بیٹھنا گوارا نہ تھا۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ تصنیف وتالیف کے لئے بھی آپ کے پاس کوئی مستقل وقت نہ تھا درسگاہ ہی میں بیٹھے دوران تدریس یہ کام چلتا رہتا تھا چنانچہ فن تجوید وقرأت پر جو آپ نے 23 شاہکار کتابیں لکھیں یہ سب کتابیں اسی طرح درسگاہ میں بیٹھے بیٹھے تصنیف کی گئیں۔

معمول کے علاوہ:

معمول کی تلاوت کے علاوہ بعض مخصوص سورتیں پڑھنے کا معمول الگ تھا چنانچہ بعد نماز فجر سورۂ یسین، بعد نماز ظہر سورۂ فتح، بعد نماز عصر سورۂ نباء، بعد نماز مغرب سورۂ واقعہ، بعد نماز عشاء سورۂ ملک اور بروز جمعہ کہف پابندی سے پڑھتے تھے۔

ایک ناغہ بھی نہیں:

پابندی وقت میں آپ ضرب المثل تھے بقول مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری (مہتمم جامعہ خیر المدارس) 40 سالہ دور تدریس میں کوئی ایک ناغہ بھی آپ نے نہیں کیا۔ پھر وقتی ضرورت کے تحت آپ نے مدرسہ سے جس قدر تنخواہ لی تھی وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے وہ پوری رقم مدرسہ کو لٹادی۔

راز یہ ہے!

سفارشی داخلہ کے آپ سخت خلاف تھے۔ میں جب داخلہ کے لئے گیا تو حضرت میاں عبد الهادی صاحب دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کا سفارشی رقعہ ساتھ لے گیا آپ نے داخلہ تو دے دیا مگر سفارش کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی دور بچپن کی بات ہے کہ میں بیٹھا منزل سنا رہا تھا کہ آپ کے ایک بے تکلف اور ہم عمر ساتھی نے آپ سے سوال کیا قاری صاحب! کیا وجہ ہے کہ آپ کے ہاں داخلہ کے لئے آنے والوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ داخلہ کے لئے قرعہ اندازی کرنا پڑتی ہے اور کئی طلبہ دو دو تین تین سال تک قرعہ میں نام نکلنے کے منتظر رہتے ہیں حالانکہ آپ کے ہاں کوئی رعایت بھی نہیں آپ کی سختی اور پٹائی بھی مشہور ہے۔ دوسرا کوئی حافظ قاری ایسی سختی کرے تو سب طلبہ بھاگ جائیں اور چند دن میں درس گاہ خالی ہو جائے جبکہ آپ کا معاملہ برعکس ہے۔ یہاں ڈنڈا چلتا رہتا ہے طلبہ روتے رہتے ہیں مگر کوئی بھاگنے کا نام نہیں لیتا آخر اس

میں کیا راز ہے؟ حضرت قاری صاحب نے فرمایا راز کیا ہے یہ تو تم نے یک طرفہ بات کی ان طلبہ کو دن کے اجالے میں روتا دیکھ رہے ہو اور وہ بھی ڈنڈے کے خوف سے اس پر تمہیں تعجب ہو رہا ہے اگر رات کے اندھیروں میں مجھے ان کے لئے روتا دیکھو تو تمہیں تعجب نہ رہے نہ کبھی ایسا سوال کرو۔

تربیت کا درد:

ڈیرہ غازی خان کا ایک طالب علم ہمارے ساتھ پڑھتا تھا ناظم مدرسہ نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ یہ سینما دیکھتا ہے اول تو حضرت قاری صاحب کو یقین نہ آیا کہ میرا شاگرد اور سینما بینی؟ مگر ناظم اسے رنگے ہاتھوں ٹکٹ سمیت پکڑ لایا تھا۔ ٹکٹ دیکھ کر حضرت کو بہت صدمہ ہوا۔ نگران کو حکم دیا کہ اسے اتنے ڈنڈے رسید کرو، کچھ عرصہ بعد وہ طالب علم دوبارہ اس جرم میں پکڑا گیا پھر ڈنڈے لگوائے اور نگران کو ڈانٹا بھی کہ تمہاری پہلی مار سے اس نے کیوں اثر نہ لیا؟ شاید اخلاص نہ تھا، لیکن کچھ عرصہ گذرنے پر تیسری بار پھر وہ سینما دیکھتے پکڑا گیا۔ اب مار پٹائی کے بجائے آپ نے یہ کیا کہ دوپہر کو چھٹی ہوئی تو اسے بلا کر پاس بٹھا لیا اور ڈیسک پر زور سے ہاتھ مار کر سب کو خاموش کر دیا اور پُر درد لہجے میں فرمانے لگے کہ شب و روز جو اس قدر محنت کر رہا ہوں صرف اس لئے کہ قرآن کا نور کسی طرح تمہارے سینے میں آ جائے۔ مگر ایسی حرکتیں دیکھ کر دل کڑھنے لگتا ہے۔ سینما دنیا کی بدترین جگہ ہے، وہاں کسی قرآن کے طالب علم کا کیا کام؟ پھر اس طالب علم کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے دیکھو! جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے آج تک کسی کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑے لیکن آج تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہوں کہ خدارا اس حرکت سے باز آ جاؤ، یہ سن کر بے اختیار رو پڑے۔ حضرت کی وفات کے دس بارہ برس بعد اتفاق سے رائیونڈ اجتماع

پراس ساتھی سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے مزاح کرتے ہوئے پوچھا بھائی سینمابینی کا شوق ابھی ہے یا ختم ہوگیا؟ کتنے دن بعد سینما دیکھتے ہو؟ اس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور بولا حضرت قاری صاحب! ایسے اساتذہ دنیا میں اب کہاں ملتے ہیں جو ایک ہی نشست میں طالب علم کی کایا پلٹ دیں! جس دن قاری صاحب نے اس گنہگار کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے اس دن سے کبھی تہجد فوت نہیں ہوئی۔ کبھی ڈیڑھ دو پارے اور کبھی تین پارے تہجد میں پڑھتا ہوں اور تم تو سینما پوچھ رہے ہو اس دن سے کبھی ٹی وی پر بھی میں نے نظر نہیں ڈالی۔

فراست:

ڈیرہ غازی خان کا ہی ایک طالب علم تھا میرا ہم درس اور جگری دوست، حضرت قاری صاحب نے فرمایا: عظیم بخش کی منزل سنو تین پاروں میں چار غلطیاں آگئیں مگر اس نے حق دوستی ادا کرتے ہوئے دو چھوڑ دیں اور دو بتانے پر اکتفا کی مگر قاری صاحب کی فراست دیکھئے کہ دونوں کا چہرہ دیکھتے ہی بھانپ گئے اور انگلی کا اشارہ فرما کر دونوں کو قریب بلالیا اور طالب علم سے فرمانے لگے: کلام اللہ ہاتھ میں ہے پھر بھی جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہ آئی؟ صحیح بتا دو غلطیاں دو ہیں یا چار؟ اور میرے ساتھ کھڑے ایک تیسرے طالب علم سے فرمایا: قرآن مجید اس کے ہاتھ سے لے لو اور ان تین پاروں میں دیکھو کتنی جگہ نشان لگے ہیں، اس نے فوراً بتا دیا کہ چار نشان ہیں خیر اس وقت تو جان بخشی ہوگئی مگر طلبہ کو یقین آگیا کہ حضرت قاری صاحب کو بن بتائے غلطیوں کا پتہ چل جاتا ہے اس لئے جھوٹ بولنا بے سود ہے۔

اخلاص سے تلاوت کا نتیجہ:

کسی طالب علم کو درس گاہ میں گھڑی پہن کر آنے کی سختی سے ممانعت تھی۔ ایک

طالب علم کا بھائی سعودیہ سے اس کے لئے ویسٹ انڈ واچ کی گھڑی لایا وہ چھٹی کے اوقات میں اسے باندھے رکھتا جب درس گاہ میں آتا تو چپکے سے ازار بند سے لٹکا لیتا۔ ایک مرتبہ کنوئیں کی منڈیر پر کھڑا تھا کہ گھڑی ازار بند سے چھوٹ کر کنوئیں میں جا گری پریشان ہو کر درسگاہ میں آیا اور نگران کے ذریعے حضرت کو اطلاع کی حضرت نے بلا کر سرزنش کی اور فرمایا: دیکھ لیا استاد کی بات نہ ماننے کا نتیجہ؟ اب قرآن چھوڑ کر گھڑی ڈھونڈنے کی اجازت تو نہ دوں گا اپنی جگہ بیٹھ کر قرآن مجید پڑھو اور صدق دل سے دعا کرو اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو گھڑی یہیں چل کر آجائے گی۔ وہ پڑھنے بیٹھ گیا۔ ادھر یہ ہوا کہ تھوڑی دیر میں ماشکی اکٹھے ہو کر کنوئیں سے پانی بھرنے لگے۔ پانی بھرتے بھرتے ایک کے ہاتھ سے رسی ٹوٹ گئی اور ڈول دھڑام سے کنوئیں میں جا گرا ایک ماشکی کو کنوئیں میں اتارا اس نے کنوئیں کی تہہ میں اتر کر ڈول لینے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے۔ اللہ کی شان ڈول کے بجائے گھڑی اس کے ہاتھ میں آگئی وہ کنوئیں سے باہر آیا اور درسگاہ میں آکر گھڑی نگران کے حوالہ کی اور نگران نے حضرت قاری صاحب کے سامنے پیش کر دی۔ حضرت نے اس طالب علم کو طلب فرمایا اور پوچھا: قرآن مجید پڑھتے ہوئے کتنے منٹ گذرے ہیں؟ کہنے لگا: دس منٹ ہی گذرے ہوں گے، آپ نے گھڑی اس کے سپرد کی اور فرمایا: اخلاص سے دس منٹ کی تلاوت کا نتیجہ تم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مشکل کیسے حل کر دی۔ اب اگر زندگی بھر اس کتاب کو سینہ سے لگائے رکھو تو اس کی برکت سے کیا کچھ نہ ملے گا؟

منزل کی مقدار:

آپ کے فرزند ارجمند حضرت قاری عبداللہ صاحب مرحوم آپ کے تربیت یافتہ اور آپ ہی کی طرح فنافی القرآن تھے۔ شروع میں ان کا 15 پارے یومیہ پڑھنے کا

معمول تھا لیکن ذرا تیز رفتار سے پڑھنا پڑتا تھا پھر کسی بزرگ نے نصیحت فرمائی کہ مقدار ذرا کم کر دیجیے مگر ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے اس وقت سے دس پارے پڑھنا شروع کئے اور یوم وفات تک یہی معمول جاری رہا کبھی ایک دن بھی اس کا ناغہ نہ کیا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ دن بھر مہمانوں میں گھرے رہتے مگر جب رات کو سونے کا وقت آتا تو بستر پر بیٹھ جاتے اور منزل کی یہ مقدار پوری کر کے سوتے۔

اب تک غلطی؟

قاری عبداللہ صاحب مرحوم نے بتایا کہ ایک بار ابا جی فرمانے لگے: عبداللہ! آج نوافل میں جتنا قرآن سنا سکتے ہو سنا دو میں نے شروع سے پڑھنا شروع کر دیا پہلی رکعت میں ہی تیرہ پارے سنا دیئے اور کہیں اٹکنے کی نوبت نہیں آئی جب چودھواں پارہ شروع کیا تو سورہ نحل میں ایک جگہ غلطی آگئی جو خود ہی درست کر لی مگر ڈر کے مارے یہیں رکوع کر لیا مبادا دوسری غلطی آجائے۔ دوگانہ پڑھ کر سلام پھیرا تو ابا جی کے سامنے بیٹھ نہ سکا شرم کے مارے پیچھے ہٹ گیا اور سرنگوں ہو کر بیٹھ گیا چند لمحے تو خاموشی رہی پھر ڈانٹ کر وہاں سے اٹھا دیا کہ مجھے مزید پریشان کرنے کے لئے یہاں بیٹھے ہو؟ زندگی میں اتنی تم پر محنت کی مگر اب تک قرآن میں غلطی؟ خیر وہ دن تو گزر گیا مگر الحمد للہ! اس کے بعد سے آج تک قرآن میں کہیں غلطی نہیں آئی نہ ہی اس دن سے کبھی قرآن کھول کر دیکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حافظ کہلوانے کا حق دار:

حضرت قاری صاحب طلبہ کی منزل سن رہے تھے کہ ایک اجنبی شخص جو کہ آداب سے ناواقف معلوم ہوتا تھا، زیارت کے لیے حاضر ہوا آپ نے نام پوچھا: تو اس نے

حافظ عبدالکریم صاحب بتایا، حضرت نے فرمایا: اچھا تم حافظ بھی ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! حضرت نے فرمایا: اچھا حافظ صاحب! فلاں جگہ سے سنائیں وہ خاموش رہا، آپ نے فرمایا: اچھا فلاں جگہ سے سناؤ۔ تو وہ ایک آیت پڑھ کر خاموش ہوگیا، تیسری جگہ سے پوچھا: تو کچھ بھی نہ سنا سکا، حضرت کو غصہ آگیا فرمانے لگے: حافظ کہلواتے ہوئے شرم نہیں آتی نہ قرآن یاد ہے، نہ تصحیح ہے، نہ تجوید، نہ پڑھنے کا سلیقہ مگر نام کے ساتھ حافظ لگانے کا بڑا شوق ہے میں نے تم سے صرف نام پوچھا تھا تعلیم یا سند نہیں پوچھی تھی، پھر فرمایا: غور سے سن لو، حافظ کہلوانے کا حق دار وہ ہے جسے اتنا پختہ یاد ہو کہ سورۂ فاتحہ سے والناس تک ایک بھی غلطی نہ آئے اگر ایک غلطی بھی آگئی تو وہ حافظ کہلوانے کا حق دار نہیں ہے، لفظ حافظ کا معنی ہے قرآن کی حفاظت کرنے والا اور یہاں عجیب مذاق ہو رہا ہے کہ جسے قرآن یاد نہیں وہ بھی حافظ، جسے پڑھنے کا ڈھنگ نہیں آتا وہ بھی حافظ۔

فَائِدَہ: ناچیز شیخوپوری عرض کرتا ہے کہ حضرت نے حافظ ہونے کا جو معیار بتایا ہے وہ تو خیر بہت اونچا ہے۔ ہمارے زمانے میں جو حافظ بن رہے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ ایک ایک پارے میں دس دس اور بیس بیس غلطیاں آتی ہیں تب بھی وہ حافظ ہی نہیں حافظوں کا استاد کہلوانے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے بالخصوص بنات کے مدارس میں جو حافظات تیار ہو رہی ہیں ان کا حال تو بہت ہی ابتر ہے ایک ایک رکوع میں اتنی غلطیاں آتی ہیں کہ سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ ہر مدرسہ سندات تقسیم کر رہا ہے خوب پروپیگنڈا ہو رہا ہے کہ اس سال اتنے حافظ اور اتنی حافظات ہمارے ہاں سے فارغ ہوگئی ہیں لیکن دو چار سال بعد ان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ انہیں دوبارہ مدرسہ میں داخل ہونے کا مشورہ دیا جائے۔

تحفہ رسول اللہ ﷺ:

حضرت قاری صاحب محض تجوید اور خوش الحانی سے پڑھنے والے روایتی قاری نہیں تھے بلکہ ان کی زندگی قرآن کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ تہجد میں اور بقیہ نمازوں میں کثرت سے بالترتیب تلاوت فرماتے تھے جس کی وجہ سے صرف نماز فجر میں ایک سال میں تقریباً ڈیڑھ قرآن پڑھ لیتے تھے۔ چلتے پھرتے بھی تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے اور آپ پر اس کا اتنا غلبہ ہو گیا تھا کہ وضو کرتے ہوئے کلی میں ارادے کے ساتھ زبان کو تلاوت سے روکنا پڑتا تھا ورنہ زبان تھی کہ بے ساختہ تلاوت کرتی چلی جاتی تھی۔ ایک موقع پر فرمایا کہ پہلے حج کے موقع پر جو کہ 23 سال کی عمر میں کیا تھا، مدینہ طیبہ سے رخصتی کے وقت روضۂ اطہر پر صلوٰۃ وسلام کے لئے حاضر ہوا تو ایسا محسوس ہوا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں: نماز تہجد ہماری طرف سے تحفہ ہے اسے قبول کرلو، الحمدللہ! اس کے بعد تا زندگی صحت اور بیماری کسی حالت میں بھی حتیٰ کہ ریل کے سفر میں بھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔

ذوق عبادت اور تقرب باری تعالیٰ کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے: جس وقت سجدہ میں جاتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں نے اللہ رب العزت کے قدموں میں سر رکھا ہوا ہے اور اللہ پاک پیار فرما رہے ہیں۔

نسبتِ قرآن:

حضرت اقدس کے پاس سب سے بڑا سرمایہ قرآن کریم تھا۔ اسی کی حفاظت، اسی کی تلاوت اور اسی کی خدمت واشاعت میں لگے رہتے تھے، نسبتِ قرآن ہی کو اپنے لیے اور اہل وعیال کے لیے باعثِ عزت سمجھتے تھے، اولاد کے لیے قرآن ہی کے پڑھنے پڑھانے کو پسند فرمایا، رشتے کرتے ہوئے بھی مال وجاہ اور حسب نسب

کے بجائے قرآن کی نسبت ہی کو پیش نظر رکھا۔

آپ جس مکان میں رہائش پذیر تھے اس میں آپ نے کئی ہزار قرآن کریم ختم فرمائے اور وہیں آپ رات کے ابتدائی اور آخری حصے میں بچیوں کو تعلیم دیتے تھے۔

وجہ شب بیداری:

ایک مرتبہ منزل سناتے ہوئے حضرت نے ٹھنڈا سانس لیا اور فرمایا بیٹا! تم طلبہ کتنے مزے میں ہو کہ تمہیں صرف اپنی فکر ہے اور میرے کندھوں پر پینسٹھ (65) طلبہ کا بوجھ ہے، اللہ کی قسم! بعض اوقات پوری شب بے داری میں گذر جاتی ہے۔ کروٹیں بدلتا رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں، فلاں بچے کی منزل یاد نہیں فلاں کی تجوید درست نہیں، فلاں کے اندر اخلاقی کمزوریاں ہیں، فلاں عمل میں پیچھے ہے۔ یونہی سوچتے سوچتے تہجد کا وقت ہو جاتا ہے اور مجھے سونا نصیب نہیں ہوتا۔

فائدہ: یہی وہ اساتذہ تھے جو پتھر کو پارس اور لوہے کو سونا بنا دیتے تھے۔ وہ اپنے تلامذہ میں سے ایک ایک پر نظر رکھتے تھے، ان کے لیے راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں کرتے تھے...... بے شک وہ پٹائی بھی کرتے تھے لیکن شاید پٹائی سے طالب علم اتنا نہ روتا ہو جتنا وہ اس طالب علم کے لیے روتے تھے اور بلاشک ایسے اساتذہ کو مارنے کا حق بھی تھا لیکن جو قراء ذاتی غیظ وغضب کی تسکین اور طالب علم کی تحقیر کے لیے اسے مارتے ہیں اور اس کی مظلومانہ چیخوں پر خوش ہوتے ہیں انہیں تو مارنے کا ہر گز حق نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: میرے شاگردوں نے مار پٹائی تو مجھ سے سیکھ لی مگر ان طلبہ سے پیار محبت اور ان کے لیے راتوں کو اللہ کے سامنے رونا دھونا نہیں سیکھا، جو استاد اپنے تلامذہ کے لیے راتوں کو رو رو کر اللہ سے کامیابی کی دعا نہیں کرتا اس کے لئے طلبہ کو مارنا پیٹنا ہر گز جائز نہیں۔

سراپا شفقت:

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا ایک شاگرد بیمار پڑ گیا چیک اپ کرانے پر معلوم ہوا کہ پھیپھڑے خاصے متاثر ہیں، ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ تین ماہ آرام کریں، پرہیزی کھانا کھائیں اور دوائی کا بھی ناغہ نہ ہونے دیں بے چارے غریب طالب علم کے پاس کچھ بھی نہ تھا دوا اور غذا کا انتظام کہاں سے کرتا۔

چونکہ چھٹی تو بہر حال حضرت ہی سے لینی تھی جب حضرت قاری صاحب کو ڈاکٹر کی تحریر دکھائی جس میں طالب علم کے لیے چھٹی کی سفارش بھی تھی تو حضرت نے تین ماہ کی چھٹی کے ساتھ دوا اور غذا کا خرچہ بھی عنایت فرما دیا، طالب علم جانے لگا تو بلوا کر پھر بٹھا لیا اور فرمایا: زندگی اور موت کا کوئی علم نہیں اگر آپ نے کسی طالب سے قرض لیا ہو تو مجھے بتا دیں میں ادا کر دوں گا اس نے دو تین طلبہ کے نام بتائے حضرت نے ان کو بلا کر ان کا قرض ادا کر کے اس طالب علم کا حساب اسی وقت بے باق کر دیا۔

الحمد للہ! وہ طالب علم تین ماہ میں صحت یاب ہو کر درسگاہ میں حاضر ہو گیا اور اب وہ عرصہ دراز سے ایک مدرسہ میں بڑی محنت سے قرآن کی تدریس میں لگا ہوا ہے اور یوں اپنے شفیق استاد کے لیے صدقہ جاریہ بنا ہوا ہے۔

بلا فرق و امتیاز:

حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب رحمہ اللہ جامعہ خیر المدارس کے مفتی، ماہر استاد حدیث اور مشہور علمی شخصیت تھے، غالباً حج یا عمرہ کے لئے تشریف لے گئے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ حضرت قاری رحیم بخش صاحب کی درسگاہ میں بیٹھا قرآن کریم کی تصحیح کر رہا ہوں، واپس پاکستان تشریف لائے، قاری صاحب کو خواب بھی سنایا اور تعبیر بھی خود ہی بیان کر دی کہ حفظ قرآن اور آپ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہونے کی

طرف اشارہ ہے لہٰذا مجھے داخلہ عنایت فرمادیں۔

حضرت قاری صاحب نے معذرت کی کہ آپ جامعہ کے استادِ حدیث ہیں اور دوسری طرف میرا حال یہ ہے کہ میں اس درسگاہ میں آنے والوں میں کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتا، میری نظر میں یہ سب برابر ہیں اور میں کسی صورت بھی اپنے تعلیمی اور تدریسی اصولوں میں لچک پیدا نہیں کرسکتا۔

حضرت مفتی صاحب نے خواب کی بناء پر اصرار کیا اور اصولوں کی پابندی کا وعدہ بھی کیا تو ان کے لیے گیارہ سے بارہ تک کا وقت مقرر فرمادیا چنانچہ مفتی صاحب نے آنا شروع کردیا، ایک دن وہ پانچ منٹ دیر سے تشریف لائے، آپ نے باز پرس کی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ سبق کے اختتام پر بعض طلبہ کے سوالات کے جوابات دینے میں تاخیر ہوگئی، حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کی درسگاہ کی نہیں اپنی درسگاہ کی بات کررہا ہوں کہ یہ پانچ منٹ کس کھاتے میں ڈالوں؟ پھر آپ نے بطور تنبیہ مفتی صاحب کو پانچ منٹ کے لیے کھڑا کردیا اور مفتی صاحب بلا کسی ہچکچاہٹ کے کھڑے ہوگئے۔

فائدہ: واقعی استاد بھی عظیم تھا اور شاگرد بھی عظیم تھا استاد ایسا ہی ہونا چاہیے تھا جس کی نظر میں اپنے سارے تلامذہ خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، چھوٹے ہوں یا بڑے سب برابر ہوں اور شاگرد کو چاہیے کہ درسگاہ میں قدم رکھتے ہی اپنی مالی، خاندانی اور علمی حیثیت کو بھول جائے اور خالص طالب علم بن کر بیٹھے۔

مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کوئی معمولی انسان نہ تھے ایک بڑی جامعہ کے استادِ حدیث اور مفتی تھے، استاد اور شاگرد کی عمر میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا، لیکن پیشانی پر بل لائے بغیر انہوں نے عام طلبہ کی طرح استاد کے طے کردہ اصولوں کی

پابندی کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمت قرآن سے نوازا اور پھر انہوں نے اس نعمت کی قدر بھی خوب کی اور وہ سفر و حضر میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت قاری صاحب سے دو عظیم نعمتیں نصیب ہوئیں: ایک حفظ قرآن، دوسری کثرتِ تلاوتِ قرآن۔

اُستاد کی نافرمانی کی سزا:

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ چونکہ شاگردوں کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے اس لیے بہت سارے تلامذہ کے رشتے اور شادیاں حضرت نے خود ہی کروائیں۔

قاری صاحب رحمہ اللہ کے ایک شاگرد کراچی رہتے تھے وہ ملنے کے لیے آئے تو بتایا کہ شادی کی کوئی صورت نہیں بن رہی، آپ نے ایک دین دار گھرانے میں رشتہ طے کر دیا بچی حافظہ اور عالمہ تھی، بات پختہ ہونے پر کراچی رابطہ کیا گیا تو ان صاحب نے بتایا کہ میری شادی کراچی ہی میں ہوگئی ہے بیوی اسکول ٹیچر ہے اور مکان اور جائیداد کی بھی مالک ہے۔

حضرت قاری صاحب کو اپنے شاگرد کا جواب سن کر بے حد صدمہ ہوا کہ اب بچی والوں کو کیسے منہ دکھاؤں گا؟ علاوہ ازیں آپ نے اسی وقت اندیشہ ظاہر کیا کہ یہ شادی کامیاب نہیں ہو سکے گی کیونکہ ایک تو یہ رشتہ بے جوڑ ہے اسکول کالج کی تعلیم یافتہ کسی مولوی اور قاری کے ساتھ کیسے نباہ کرے گی، دوسری وجہ یہ کہ مولوی صاحب نے استاد کو صدمہ بھی پہنچایا ہے اور اس کے مشورہ کو بھی اہمیت نہیں دی چنانچہ ایسے ہی ہوا کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ اس عورت نے قاری صاحب کو قتل کروا دیا اور ایک اسکول ٹیچر سے نکاح کرنا چاہا مگر راز کھل جانے کی وجہ سے اسے جیل جانا پڑا نہ وہ ادھر کی رہی اور نہ ہی ادھر کی رہی، اور قاری صاحب کو تو جنازہ تک نصیب نہ ہو سکا، پندرہ دن تک ان کی

لاش بند مکان ہی میں گلتی سڑتی رہی اور بعد میں وہیں پر گڑھا کھود کر انہیں دبا دیا گیا۔

قاری صاحب یہ واقعہ سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ اساتذہ کی ناراضگی سے بچنا چاہیے اس کا انجام برا ہوتا ہے اور فرماتے تھے کہ اس شاگرد کی نافرمانی کے باوجود میں اس کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ پاک اس کی لغزشوں کو معاف فرما کر اسے جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمادے۔

استغناء:

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے زریں اصولوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے شاگردوں سے ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شاگرد نے حضرت کو بتائے بغیر ہدیہ کے طور پر کچھ برتن آپ کے گھر بھجوادیے آپ کو پتہ چلا تو فرمایا: یا تو برتن واپس لے جاؤ یا ان کی قیمت وصول کرو، اس نے بہت ہی منت سماجت کی اور وعدہ کیا کہ اس بار معاف فرمادیں آئندہ ایسا نہیں ہوگا، بڑی مشکل سے آپ نے اسے معاف کیا۔

فائدہ: حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے اس قیمتی اصول سے ان حضرات کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو اپنے شاگردوں سے ہدایا کی وصولی کے نہ صرف امیدوار رہتے ہیں بلکہ بعض ''اشارۃً کنایۃً'' اور بعض صراحۃً انہیں ہدیہ دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور کئی ایک ایسے بھی ہوتے ہیں جو مالدار شاگردوں سے کچھ وصول ہونے کی امید میں ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کرتے ہیں۔

کمالِ فن:

حضرت قاری صاحب کو قرأتِ عشرہ میں جو کمال حاصل تھا وہ بے مثال تھا بیک وقت کئی کئی روایتوں میں قرآن پڑھتے تھے۔ ان کے شاگرد قاری محمد شفیق پانی پتی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھے بیک وقت پانچ روایتیں کہلوائیں:

1 روایت ابوالحارث
2 روایت دوری کسائی
3 روایت اسحاق
4 روایت ادریس
5 روایت شعبہ

ان پانچ روایتوں میں سے حضرت نے دوری کسائی کی روایت میں قرآن پڑھنا شروع کیا جہاں کہیں ان پانچ روایتوں میں اختلاف آتا فوراً بتلادیتے کہ ان کا آپس میں یہ اختلاف ہے۔ صبح سات بجے سے شروع فرما کر دوپہر کی چھٹی تک پندرہ پارے کہلوائے پھر ظہر سے عصر تک چھ پاروں کی آپ نے تلاوت کی اور اگلے دن نو پارے کہلوا کر پانچوں روایتوں کو پورا فرمادیا۔ حلفاً کہتا ہوں کہ پورے قرآن میں بھولنا تو دور کی بات ہے حضرت کہیں اٹکے بھی نہیں اور الحمد سے والناس تک ان پانچویں روایتوں میں جو اختلافات ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا اختلاف نہ تھا جو آپ نے فوراً نہ بتادیا ہو۔

پابندیٔ وقت:

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ حضرت قاری رحیم بخش صاحب نوراللہ مرقدہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''انہیں قرآن کریم سے عشق کی حد تک شغف تھا، فرائض شرعیہ اور حوائج بشریہ کے علاوہ شاید ان کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا تھا جس میں وہ قرآن کریم کی تعلیم وتدریس یا اپنی تلاوت میں مشغول نہ ہوں، اوقات تدریس کی پابندی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، سردی، گرمی، موسمی تغیرات، ضعیفی وکمزوری کوئی چیز ان کے راستہ میں حائل نہیں ہوتی تھی اور مدرسہ کے وقت سے پہلے وہ درسگاہ میں موجود ہوتے تھے۔ حج وعمرہ پر تشریف لے جاتے (جو شاید آخری سالوں میں قریباً سالانہ معمول بن گیا تھا) تو

واپسی پر کراچی میں ایک رات بھی قیام گوارا نہ فرماتے (حالانکہ یہاں ان کی صاحبزادی اور دیگر اعزہ ہیں) بلکہ آتے ہی ایسی گاڑی سے سفر فرماتے جو صبح سویرے ملتان پہنچا دے اور اسٹیشن سے سیدھے خیر المدارس اپنی درسگاہ میں تشریف لے جاتے اور تعلیم کے اوقات ختم ہونے کے بعد گھر جاتے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت قاری صاحب سفر سے واپسی پر پہلے گھر تشریف لے گئے ہوں اور وہاں سے درسگاہ تشریف لائے ہوں۔'' (بینات اشاعت خاص:592،591)

فَائِدَہ: آج کل کے بعض مدرسین میں طلبہ کا وقت ضائع کرنے اور ناغے پر ناغہ کرنے کی جو بری عادت عام ہوتی جارہی ہے انہیں اپنے بزرگوں سے پابندی وقت کا سبق حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں واقفانِ حال یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ چالیس سالہ دورِ تدریس میں نہ صرف یہ کہ انہوں نے کبھی ناغہ نہیں فرمایا بلکہ کبھی ایسا موقع بھی نہیں ہوا کہ وہ پانچ منٹ کی تاخیر سے درسگاہ میں پہنچے ہوں۔

موقع کی تلاش:

قاری عبید اللہ صاحب مرحوم آپ کی کتاب ''آدابِ تلاوت'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

حضرت اقدس رحمہ اللہ (متوفی ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ) فرماتے تھے کہ مجھے بچپن ہی سے تلاوت قرآن کثرت کے ساتھ کرنے کا شوق تھا۔ جب قرآن مجید کا حفظ مکمل ہو گیا تو فراغت سے قبل تقریباً پورا قرآن کریم ایک دن میں اپنے استاذ حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (متوفی شعبان ۱۴۰۷ھ) کو سنایا کرتا تھا اور فراغت کے بعد بیس بائیس پارے پڑھنا روزانہ کا معمول تھا۔ میں گیارہ برس کی عمر میں صبح کی

نماز سے قبل اٹھ کرتن تنہا اندھیری گلیوں میں سے گذرتا ہوا جامع مسجد جا کر وضو کر کے مسجد کے وسیع عریض صحن کے وسط میں بیٹھ کر نماز فجر سے قبل آٹھ پارے پڑھ لیتا تھا۔ کتابیں پڑھنے کے زمانے میں سولہ پارے منزل پڑھنا معمول رہا۔ فرماتے کہ پانی پت میں اکثر شبینے ہوا کرتے تھے اور ہم موقع کی تلاش میں نکلتے۔ موقع پا کر کھڑے ہو جاتے۔ دس پندرہ پاروں پر پہلی رکعت کرتے۔ آٹھ دس پارے پڑھنا تو معمولی بات تھی۔ (بینات صفحہ:14)

مصروفیات کے ساتھ:

تہجد کی نماز میں پانچ پارے پڑھنا معمول رہا اور آخری عمر میں سورۂ یٰسین، قرآن پاک کی تمام دعائیہ آیات کریمہ پڑھنے کا بھی معمول بن گیا تھا۔ رمضان المبارک کی تراویح میں چند سالوں کے علاوہ مدۃ العمر خود ہی قرآن کریم سنایا۔ آپ نے جن سالوں میں قرآن تراویح میں نہیں سنایا ان میں سحری سے قبل تہجد میں پانچ چھ پارے پڑھنا روزانہ کا معمول رہا۔ ایک قرأت میں ختم ہونے پر دوسری اور تیسری قرأت میں ختم فرماتے تھے۔ رمضان المبارک میں دیگر مصروفیات کے ساتھ تقریباً اٹھارہ انیس پارے روزانہ کی تلاوت تھی۔ (بینات صفحہ:16)

ساحرِ عظیم:

اقلیم خطابت کے فرمانروا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی تلاوت قرآن کے حوالے سے حضرت قاضی مجاہد الحسینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''آپ خطاب عام کے لئے کھڑے ہوئے، مجمع گوش بر آواز، فضا میں لحن حجازی رقص کرنے لگا، سامعین نے دل تھام لئے، شجر وحجر نے سرگوشیاں چھوڑ دیں اور کائنات دم بخود ہوگئی، مکہ کے پہاڑوں، مدینہ کی گلیوں اور طائف کے بازاروں کا

منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا! پندرہ منٹ اور بعض دفعہ نصف گھنٹہ کی تلاوت قرآن مجید کے بعد شاہ جی جب ''صدق اللہ'' کہہ کر سحر طرازیوں کا سلسلہ ختم کرتے تو سامعین کے دل و دماغ پر کیف و مستی چھا گئی ہوتی اور یوں محسوس ہوتا کہ آسمان سے حور و ملائک مجمع پر رحمتوں کے پھول برسا کر جلسہ گاہ کو مشام جان بنا گئے ہیں اور آبِ کوثر سے ہر آنکھ پرنم کر گئے ہیں، سامعین کا جی چاہتا کہ شاہ جی آج صرف قرآن پڑھ کر ہی سناتے رہیں۔ یہ اشتیاق اور تقاضا صرف مسلم سامعین کا نہ ہوتا بلکہ غیر مسلموں کی بھی یہی کیفیت ہوتی۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو کا بیان ہے کہ میں دور دراز کا سفر کر کے صرف شاہ جی کی تلاوت قرآن سننے کے لیے مختلف جلسوں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کر لیا کرتا تھا۔''

قرآن حکیم کے بارے میں کبھی کفار کہا کرتے تھے کہ یہ کسی بڑے جادوگر کی سحر طرازی ہے، نعوذ باللہ بیسوی صدی میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی تلاوت قرآن سن کر کہا جا سکتا ہے:

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (سورة المائدة)

تَرجَمَة: ''یہ ایک بہت بڑا جادوگر ہے۔''

(امیر شریعت نمبر، ماہنامہ نقیب ختم نبوت: صفحہ:183)

آگ لگا دو:

قرآن پاک سے شاہ جی کی شیفتگی اور والہانہ محبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ استثنائی صورتوں میں قرآن کے علاوہ کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کرتے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ میرے لئے جو کچھ ہے قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس سے باہر جو بھی ہے باطل ہے اور ایک باطل شے کے مطالعہ کے

لیے میرے پاس وقت نہیں۔ اگر آج دنیا قرآن کو چھوڑ کر دوسری کتابوں پر نگاہ کر سکتی ہے تو میں دوسری کتابوں سے روگردانی کر کے صرف آخری کتابِ الٰہی پر اپنی توجہ کیوں نہ مرتکز کر دوں؟ میں تو قرآن کا مبلغ ہوں میری باتوں میں اگر کوئی تاثیر ہے تو وہ صرف قرآن کی۔ جو چیز مجھے قرآن سے الگ کرے اسے آگ لگادو۔

(امیر شریعت نمبر: 1 / 184)

کوئی ایسی کتاب لائیے:

1950ء میں مجلس احرار اسلام کی آل پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی ایک اجلاس میں شاہ جی نے دورانِ تقریر فرمایا:

آج قاضی احسان احمد صاحب نے روس کی چھپی ہوئی کتاب مجھے دکھائی جس کا نام ''اسٹالن'' ہے قاضی صاحب نے اس کی طباعت وکتابت کی خوبیوں اور اس کی دلکشی ودلفریبی کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے بتایا: شاہ جی! دیکھو! ان تمام خوبیوں کے باوصف اس کتاب کی قیمت روپیہ یا بارہ آنے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی کمال نہیں۔ اسٹالن کی اپنی حکومت، اپنی سیاہی، اپنا قلم، اپنا کاغذ، اپنا پریس، اپنے ملازمین اور کارندے غرضیکہ اس سلسلہ کے تمام ساز وسامان اسے مہیا ہیں وہ جو چاہے جس طرح چاہے اسے شائع کر سکتا ہے۔ اسے یہ کتاب دنیا کو مفت تقسیم کرنی چاہیے۔ اسٹالن کا یہ کوئی کمال اور خوبی نہیں، کمال اور خوبی ملاحظہ کرنا ہو تو قرآن پاک کی تاریخ ملاحظہ فرمائیے۔

دہاں نہ قلم، نہ دوات، نہ پریس، نہ عملہ، نہ حکومت اور نہ ہی دنیاوی ساز وسامان جن کے بل بوتے پر قرآن کی اشاعت کا اہتمام کیا جا سکے۔

لیکن کمال ملاحظہ ہو کہ آج قرآن مجید کروڑوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ میں دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے مقابلے میں کوئی ایسی کتاب لائیے جو

آج تک اس سے زیادہ اشاعت پذیر ہوئی ہو، اور اس سے زیادہ انسانوں کے سینہ میں محفوظ ہو۔ (امیر شریعت نمبر: 1/185)

خدا کے لیے بس کرو:

آپ (حضرت شاہ بخاری صاحب رحمہ اللہ) نے فرمایا:

یوسف علیہ السلام کے ذکر سے مجھے ڈم ڈم جیل یاد آ گئی 1930ء کے ایام اسیری میں ایک رات سورۂ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا، چودھویں رات کی چاندنی، رات کا سناٹا، فضا خاموش اور ماحول دم بخود، تلاوتِ قرآن میں کچھ وقت گذر گیا، اتنے میں پنڈت رانجھی لال سپرنٹنڈنٹ جیل نے مجھے پیچھے سے پکارا دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی کہنے لگا:

''شاہ جی! خدا کے لیے بس کرو میرا دل قابو سے باہر ہو رہا ہے اور مجھ میں رونے کی سکت نہیں رہی'' (پھر فرمایا:) بھائی! قرآن پڑھا جائے تو آج بھی اس کے اعجاز دکھائی دیتے ہیں۔ (امیر شریعت نمبر: 191)

ایک چیز سے محبت ایک چیز سے نفرت:

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''میں زندگی میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور ایک ہی چیز سے نفرت کرتا ہوں: قرآن مجید سے محبت اور انگریز سے نفرت۔''

حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن سے محبت انہیں انگریز سے نفرت کے لئے مجبور کرتی رہی۔ یہود و نصاریٰ کی ازلی، ابدی اور ناقابل مصالحت دشمنی اسلام کے تذکرے قرآن پاک کے مقدس صفحات پر بکھرے پڑے ہیں۔ وہ اکثر اپنی تقریروں میں نوجوان نسل کو قرآن پاک کے مطالعے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے:

''بابو لوگو! اس کتاب کی قسمیں نہ کھایا کرو، اسے پڑھا کرو، قربان جاؤں قرآن پاک کے، خود گواہی دیتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ پر اتارا گیا ہوں۔ اسے شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کی طرح نہیں پڑھ سکتے تو نہ سہی علامہ اقبال کی طرح پڑھ لو، دیکھو اس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا تو دانشِ فرنگ پر ہلہ بول دیا پھر اس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں یقیناً اقبال تمہارے بت کدہ میں اللہ اکبر کی صدا تھے۔'' حضرت شاہ جی کے خیال کے مطابق جس نے بھی قرآن کو ڈوب کر پڑھا وہ انگریز کی نفرت پر مجبور ہو گیا کہ اس کے علاوہ اس کے سامنے کوئی چارہ رہا ہی نہیں۔'' (امیر شریعت نمبر: صفحہ 202)

مجھے قرآن کے سوا کچھ نہیں آتا:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''علماء کرام، پیرانِ عظام! میں نے قرآن کی ایک آیت پڑھی تو اس نے مجھے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ میں اللہ کے سب سے بڑے دشمن سے لڑ گیا اور اپنی زندگی کے حسین گیارہ سال جیل میں گذار دیئے، زندگی سفر میں کٹ گئی لاکھوں انسانوں کے دل سے فرنگی کا خوف دور کیا لیکن قربان جاؤں تمہارے ہاضمہ کے، آپ پورا قرآن کریم اور لاکھوں احادیث ہضم کر گئے مگر ٹس سے مس نہ ہوئے۔''

ان زخم خوردہ لوگوں کے حاشیہ نشین، شاہ صاحب کے تابڑ توڑ عوامی حملوں سے بہت مضطرب ہوئے تو ایک ''کرنٹے'' نے کہا عطاء اللہ شاہ کو قرآن کے سوا کیا آتا ہے تو آپ نے اس کے جواب میں (غالباً موچی دروازہ میں فرمایا):

''ہاں بھائی! واقعی قرآن کے سوا کچھ نہیں آتا۔ الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ ثم الحمد للہ! کہ مجھے قرآن کے سوا کچھ نہیں آتا۔ میری دعا ہے کہ قرآن کے سوا مجھے کچھ بھی نہ آئے

لیکن یہ صاحب جو مجھے طعنہ دیتے ہیں ان کا یہ عالم ہے کہ خود انہیں قرآن ہی نہیں آتا۔" (حوالہ مذکور: صفحہ 427)

والہانہ عقیدت:

دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث اور ناظم تعلیمات حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سے والہانہ عقیدت اور اس کی تلاوت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ آپ کی کثرتِ تلاوت کے واقعات سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ تدریس حدیث اور گراں بار انتظامی ذمہ داریوں کے باوجود بلاناغہ اتنی مقدار میں تلاوت کیسے کرلیتے تھے؟

حضرت کے مسترشد خاص قاری رشید احمد اعظمی مدظلہ لکھتے ہیں: اللہ رب العزت نے آپ کو قرآن کریم سے عشق اور لگاؤ کی ایک خاص کیفیت عطا کی ہوئی تھی۔ چلتے پھرتے ہر وقت آپ کی زبان پر قرآن کریم جاری رہتا۔ روزانہ پون گھنٹہ صبح فجر کی نماز کے بعد حضرت رحمہ اللہ مسلسل تلاوت فرماتے رہتے۔ گھر جانے کے بعد پھر ایک طالب علم کو سناتے۔ ایک عرصہ تک آپ کا روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا معمول تھا۔ لیکن جب سے ضعف بڑھا روزانہ 18 پارے پڑھتے تھے اور تادم وفات یہی معمول رہا۔ رمضان المبارک میں تو آپ قرآن کریم کے لئے اپنی تمام مصروفیات ترک فرما دیتے اور دن رات قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ چنانچہ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے 20 سال گولیمار (مسجد باب السلام) میں قرآن سنایا۔ روزانہ تراویح میں جو سوا پارہ پڑھنا ہوتا اسے میں 24 مرتبہ پڑھتا۔ اس طرح روزانہ ایک قرآن ختم کرتا۔ حضرت کے سب سے بڑے صاحبزادے جناب بھائی غفران محمود صاحب نے احقر کو بتایا کہ اس طویل عرصہ میں میں نے ابا جان کو

سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ 12 بجے رات کو بذریعہ بس گولیمار سے دارالعلوم پہنچتے اور پھر نفل کی نیت باندھ کر کھڑے ہو جاتے اور ہم صبح سحری کے وقت اٹھتے تو ابا جان کو اسی حالت میں پاتے۔ آخری عمر میں اس پر افسوس کا اظہار فرماتے کہ اب بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے پوری رات کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی ہے اور قرآن کریم اتنا پختہ یاد تھا کہ جو طالب علم حضرت رحمہ اللہ کا قرآن کریم سنتے تھے وہ بتاتے ہیں کہ حضرت کے پورے قرآن کریم میں ایک غلطی بھی نہیں آتی ہے۔ تاہم کبھی کبھار کوئی اٹکن آجاتی ہے اور یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے۔ (سحبان الامت: صفحہ 293)

حضرت رحمہ اللہ کے قریب رہنے والے اور حضرت کو دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ حضرت کی زبان ہر وقت ذکر یا قرآن شریف کی تلاوت سے تر رہتی اور دونوں ہونٹ مسلسل حرکت کرتے ہوئے نظر آتے۔ ایک دفعہ طلبہ سے فرمایا کہ حفاظ کے لئے صبح کم از کم پانچ پارے تلاوت کرنے سے پہلے ناشتہ حلال نہیں ہے۔ (صفحہ:286)

بائیس ختم:

جانشینِ امیرِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء المنعم شاہ صاحب قدس سرہ کے متعلق الحاج ماسٹر محمد عمر (خان گڑھ) لکھتے ہیں:

''قرآن حکیم سے عشق کا یہ حال تھا کہ آٹھ پارے تلاوت روزانہ کا معمول تھا۔ رمضان المبارک کی مقدس ساعتوں میں خواص کو بھی ملنے کی اجازت نہ ہوتی تھی، عید الفطر کے دن حاضر ہوا تو فرمایا: ''اب جسمانی ضعف غالب ہے الحمد للہ بائیس ختم قرآن ہوئے ہیں۔'' (الاحرار: صفحہ 43، جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ)

سب سے عالی ذکر:

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ کا ذوق تلاوت

ملاحظہ ہو:

میں بڑی عمر میں اپنے بیٹے کا قرآن مجید سنتے سنتے حافظ ہوا ہوں اور الحمدللہ کئی بار تراویح میں بھی سنایا ہے اور اس وقت میری اولاد میں بیٹے، پوتے، پوتیاں، نواسیاں اکثر حافظ ہیں۔ حاضرین مجمع سے فرمایا کہ میری ایک بات مانو وہ یہ کہ اپنے بچوں میں سے ایک بچے کو ضرور حافظ بنالو تاکہ تمہاری نجات کا ذریعہ ہو جائے...... عرصہ دراز سے آپ کا رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کا معمول تھا مگر گذشتہ کئی سال سے سینکڑوں کی تعداد میں مریدین و متعلقین حضرات کے ساتھ مسجد ''فلاح'' میں اعتکاف فرماتے تھے۔ بندہ نے ان گنہگار آنکھوں سے دیکھا کہ آپ ضعف کے باوجود مسجد کی اجتماعی تراویح میں قرآن سننے کے بعد اپنے صاحبزادے حافظ محمد یحییٰ سلمہ سے کھڑے ہو کر مزید تین پارے سنتے تھے اور آدھی رات کے بعد ایک اور قاری صاحب سے کئی پارے سنتے تھے۔ رمضان المبارک کے ابتدائی دنوں میں اپنے خلیفہ مجاز حضرت قاری محمد عبداللہ مرحوم سے تراویح میں 6-6 پارے روزانہ سنتے تھے۔ یہ صرف اور صرف قرآن کریم سے محبت ہی کا نتیجہ تھا۔

(بینات اشاعت خاص بیاد شہید سلام: صفحہ 387)

قرآن کریم کی تلاوت کا اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اتنا زیادہ اہتمام فرماتے کہ جب تک معمول پورا نہ ہو جاتا بے چین رہتے۔ فالج سے پہلے تک روزانہ ایک منزل پڑھنے کا معمول تھا اور ساتویں دن قرآن ختم فرماتے، البتہ فالج کے بعد روزانہ تین پاروں کا معمول اخیر تک رہا۔ فرمایا کرتے تھے:

''کہ ایک ایک حرف کی تلاوت خود آں حضرت ﷺ نے فرمائی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سنا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے۔ لہٰذا تمام اذکار میں سب

سے عالی ذکر تلاوت قرآن کریم ہے اپنی نسبت عالی کی وجہ سے۔'' (صفحہ:475)

یونہی سہی:

ایک دفعہ لاہور دفتر احرار میں چند نوجوان آئے اور انہوں نے قرآن اور دیگر کتابوں کے موازنہ کی گفتگو کی تو آپ نے فرمایا:

''میاں تم قرآن پاک کو الہامی کتاب مان کر نہ پڑھو، عربی ادب عالیہ کی کتاب سمجھ کر ہی پڑھ لو تو تمہاری روح پاک ہو جائے گی۔''

حضرت امیر شریعت کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ آپ نے ''یونیورسٹائزڈ'' طبقہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''بابو لوگو! قرآن ہماری طرح نہ سہی، اقبال کی طرح پڑھ لو! دیکھو اقبال نے قرآن ڈوب کر پڑھا تو تہذیب فرنگ پر حملہ بول دیا۔ (امیر شریعت نمبر: صفحہ 428)

بہتر کا بہترین شغل:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ سیدہ خیر النساء بہتر کے معمولات ان کی بیٹی لکھتی ہیں:

والد صاحب کی وفات کے بعد ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ گرمی میں ڈھائی بجے سے اور جاڑوں میں تین بجے سے اور رمضان شریف میں گرمی میں ایک بجے سے اور جاڑوں میں ڈیڑھ بجے سے تہجد کے لئے اٹھ بیٹھتی تھیں۔ اور بڑی لمبی لمبی سورتیں پڑھتی تھیں، مثلاً: سورۂ حدید، سورۂ حشر، سورۂ دخان، سورۂ یٰسین شریف، سورۂ الٓمٓ سجدہ، سورۂ طور، سورۂ نجم، سورۂ واقعہ، سورۂ رحمٰن، سورۂ ق، سورۂ ذاریات۔ تہجد میں اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے جانماز تر ہو جاتی تھی اور کبھی اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے دنیا کی خواہش نہیں کی، بس اللہ رسول کی محبت، دینی خوبیاں اور

دینی خدمات کی توفیق۔ صبح چار بجے انگیٹھی جلا کر رکھ دیتی تھیں، اور خود نماز میں مصروف ہو جاتی تھیں، دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، نماز پڑھ کر سب کو جگانا شروع کر دیتی تھیں، جو اٹھنے میں تساہل کرتا تو بہت ناراض ہوتی تھیں...... خود نماز پڑھ کر اسی جانماز پر اشراق تک بیٹھی رہتی تھیں اور تہجد کے بعد صبح کی نماز تک ''لا الہ الا اللہ'' کی ضرب لگاتی تھیں۔ پھر صبح کی نماز کے بعد تسبیحات میں مشغول ہو جاتی تھیں، اشراق کی نماز پڑھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر کلام پاک کی تلاوت کرتیں اور کچھ گھر کے کام انجام دیتیں...... آنکھوں کی روشنی ختم ہونے کے بعد تسبیح اور تلاوت کلام پاک ہی کام رہ گیا۔ اور ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ نماز وقت سے بے وقت نہ ہو جائے۔ گھڑی سرہانے رکھی رہتی تھی۔ ہر آنے جانے والے سے پوچھتی رہتی تھیں کیا بجا ہے؟

(ذکر خیر: صفحہ 99)

قابلِ دید منظر:

مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم اپنی والدہ مرحومہ کے شوقِ عبادت کا حال لکھتے ہیں:

''شوقِ عبادت میں اپنی نظیر آپ تھیں، عمر طویل پائی، اشراق و چاشت دونوں نمازوں کا کیا ذکر ہے تہجد تک میرے علم میں ناغہ نہ ہونے پاتی، اور ہمت کا کمال یہ تھا کہ شب کے اخیر حصہ میں وقت فجر سے گھنٹہ پون قبل اٹھنے کے بجائے عین درمیان شب میں اٹھ بیٹھتیں، اور وضو کر کے چار یا آٹھ رکعتیں ہی نہیں پوری بارہ رکعتیں کھڑے ہو کر پڑھتیں، اور پھر نماز فجر اول وقت منہ اندھیرے پڑھ ڈالتیں...... نماز فجر سے اوّل وقت فراغت حاصل کر کے اسی جانماز پر بیٹھی ہوئے کڑوے تیل سے جلنے والے چراغ کی روشنی میں قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دیتیں اور جس مشقت

وتعب سے ایک ایک لفظ اٹک اٹک کرادا کرتیں وہ منظر بھی دیکھنے کے قابل ہوتا۔"

(آپ بیتی: صفحہ 44)

خوفِ آخرت کا نتیجہ:

مرحوم اپنی اکلوتی ہمشیرہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"اردو کی معمولی سی تعلیم پا کر بس بچپن ہی سے مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں پڑ گئیں اور خوف آخرت دل میں ایسا بیٹھا کہ اپنے کو گویا عبادت ہی کے لئے وقف کردیا۔ کئی کئی پارے قرآن مجید کے مع اردو ترجمہ کے ان کی روزانہ تلاوت کا معمول، پنج وقتہ طویل نمازوں کے علاوہ اشراق، چاشت اور تہجد کی نمازیں داخل معمول، کمزوری وناطقتی کی بنا پر روزے میں ذرا کچی تھیں۔ پھر بھی رمضان کا کوئی روزہ چھوٹنے نہ پاتا۔ حج وزیارت کی اس درجہ شائق کہ کہنا چاہیے کہ 1912ء میں انہیں کا اصرار اور تقاضہ والد ماجد مرحوم کو حج کے لئے لے گیا۔ زکوۃ کا حساب باقاعدہ رکھتیں اور یوں عام داد و دہش میں خدا معلوم کتنا دے نکلتیں۔" (ایضا: صفحہ 48)

انوار وتجلیات کا مشاہدہ:

حضرت محترم نواب عشرت علی خان قیصر اپنی والدہ کے شغف قرآن کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ہندوستان کے دورانِ قیام اپنی جائے رہائش پر بچیوں کو قرآن شریف اور بہشتی زیور مدت تک پڑھاتی رہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت سے بے حد شغف تھا۔ ماہ رمضان المبارک میں تین روز میں ایک قرآن شریف ختم کرنے کا معمول تھا۔ باوجود اس قدر بیماری، معذوری اور ضعیفی کے ایک منزل روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کرتی تھیں۔ چھ سات روز میں ایک قرآن پاک ختم کرلیتی تھیں اور یہ معمول انتقال سے

چند ہفتے قبل تک رہا۔ بعض دفعہ پوری پوری رات قرآن شریف کی تلاوت میں بسر ہو جاتی تھی۔ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ قرآن پاک کی معیت نصیب تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کلام الٰہی کے انوار وتجلیات کا اپنے گرد وپیش مشاہدہ کرتی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ جب بستر پر لیٹتی ہوں تو اپنے جسم کے چاروں طرف قرآن پاک کی آیات نہایت نفیس ومنور نقش ونگار کے ساتھ متشکل دیکھتی ہوں۔ اس قدر کثرت سے نمودار ہوتی ہیں کہ مجھے بوجہ ادب اپنے پاؤں بستر پر سکیڑنے پڑتے ہیں۔ کمرہ کے در ودیوار اور چھت آیات کریمہ سے مزین ومنور ہو جاتے ہیں۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ آنکھ کی بینائی بوجہ موتیا بند کے نہایت کمزور ہو گئی تھی لیکن قرآن پاک کی تلاوت بغیر چشمہ کے کرتی تھیں۔‘‘

(مثالی خواتین: صفحہ: 329، بحوالہ بینات دسمبر 1985ء)

متکلمہ بالقرآن

الحمدللہ! مسلم خواتین کی عبادت وتلاوت کے واقعات کتابوں میں اس کثرت سے ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن تمام واقعات کو جمع کرنا ہمارا ہدف نہیں ہم تو اپنے قارئین کو صرف ایک جھلک دکھانا چاہتے تھے اور جب آپ نے اپنے قریب کے زمانے کی خواتین کے ذوقِ تلاوت کی جھلک دیکھ لی ہے تو آیئے! ہم آپ کو اس اللہ کی نیک بندی کا واقعہ بھی سنا دیں جس نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ اپنی زبان سے قرآن کے سوا دوسرا لفظ نہیں نکالے گی پھر اس نے اپنے عہد کو خوب نبھایا یہاں تک کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں وہ اظہار مافی الضمیر کے لئے قرآنی آیات وکلمات ہی کا سہارا لیتی تھی۔ اس کا مشہور واقعہ جس کا دنیا کی مختلف

زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اس کتاب کے قارئین کے لئے بیروت کے ''مکتبہ دارالایمان'' سے شائع ہونے والی ایک کتاب کی مدد سے پیش کیا جارہا ہے اس کتاب کا نام ہی ''متکلمہ بالقرآن'' ہے اور اس کی ابتداء اسی واقعہ سے ہوتی ہے۔ آگے چل کر اس میں دوسری بہت سی ذہین، غیور، بہادر، حق گو اور صاحب علم خواتین کے دلچسپ اور عبرت آموز واقعات بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مرتبین کے طور پر ٹائیٹل پر حمید زمزم اور محمد عبداللہ کے نام دیئے گئے ہیں۔

مشہور محدث، مصنف، مجاہد اور تاجر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ جن کی زندگی حج، جہاد اور تجارتی اسفار اور حدیث وفقہ کی خدمت واشاعت میں بسر ہوئی، وہ فرماتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ اور روضۂ اطہر کی زیارت کے ارادے سے نکلا تو دورانِ سفر ایک سن رسیدہ خاتون سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی جو راستے سے بھٹک گئی تھی اور اس نے قمیص اور چادر پہن رکھی تھی اس بوڑھی خاتون سے میری یوں گفتگو ہوئی:

حضرت عبداللہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بڑھیا: ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝﴾

تَرْجَمَة: ''سلام انہیں کیا جائے گا پروردگار مہربان کی طرف سے۔''

حضرت عبداللہ: اللہ آپ پر رحم کرے آپ اس جگہ کیا کرتی ہیں؟

بڑھیا: ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾

تَرْجَمَة: ''جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔''

حضرت عبداللہ: میں سمجھ گیا کہ یہ راستہ بھول گئی ہے۔

حضرت عبداللہ: آپ کہاں جانا چاہتی ہیں؟

بڑھیا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى

الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾

تَرجَمَة : ''پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا۔''

حضرت عبداللہ: میں سمجھ گیا کہ اس نے حج ادا کرلیا ہے اور اب بیت المقدس جانا چاہتی ہے۔

حضرت عبداللہ: آپ یہاں کتنے دنوں سے قیام فرما ہیں؟

بڑھیا: ﴿ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾

تَرجَمَة : ''تین راتیں نہ بول سکو گے درآنحالیکہ تم تندرست ہوگے۔''

حضرت عبداللہ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس کھانا نہیں ہے؟

بڑھیا: ﴿وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ﴾

تَرجَمَة : ''وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

حضرت عبداللہ: آپ وضو کس چیز سے کرتی ہیں؟

بڑھیا: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا﴾

تَرجَمَة : ''پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلیا کرو۔''

حضرت عبداللہ: اگر آپ کھانا چاہیں تو میرے پاس کھانا موجود ہے۔

بڑھیا: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ﴾

تَرجَمَة : ''پھر روزہ کو رات ہونے تک پورا کرو۔''

حضرت عبداللہ: مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ روزہ رکھے ہوئے ہے تو میں نے کہا کہ یہ مہینہ رمضان کا مہینہ نہیں ہے؟

بڑھیا: ﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ﴾

تَرجَمَة : "اور جو کوئی خوشی سے کوئی امر خیر کرے سو اللہ بڑا قدر دان ہے بڑا علم رکھنے والا ہے۔"

حضرت عبداللہ: ہمارے لئے سفر میں افطار کرنا جائز ہے۔

بڑھیا: ﴿وَ اَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾

تَرجَمَة : "اور اگر تم علم رکھتے ہو تو بہتر تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے رکھو۔"

حضرت عبداللہ: جب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ قرآن کے علاوہ سے بات نہیں کرتی تو میں نے اس سے کہا آپ میرے ساتھ اس طرح بات کیوں نہیں کرتیں جس طرح میں آپ کے ساتھ بات کر رہا ہوں؟

بڑھیا: ﴿مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ﴾

تَرجَمَة : "وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر یہ کہ اس کے آس پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا تیار ہے۔"

حضرت عبداللہ: آپ کا تعلق کس قبیلے سے ہے؟

بڑھیا: ﴿وَ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا﴾

تَرجَمَة : "اس چیز کے پیچھے مت ہو لیا کرو جس کی بابت تجھے علم صحیح نہ ہو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان کی پوچھ ہر شخص سے ہو گی۔"

حضرت عبداللہ: یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی آپ مجھے معاف فرمائیں۔

بڑھیا: ﴿قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ﴾

تَرجَمَة : "آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف فرمائے۔"

حضرت عبداللہ:	کیا آپ اس بات کو مناسب سمجھو گی کہ میں آپ کو اپنی اونٹنی پر سوار کراؤں تاکہ آپ اپنے قافلہ کے ساتھ مل سکو؟
بڑھیا:	﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ﴾
تَرجَمَة :	اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے اللہ کو اس کا علم ہو کر رہے گا۔
حضرت عبداللہ:	میں نے یہ کہہ کر اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔
بڑھیا:	﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾
تَرجَمَة :	”آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔“
حضرت عبداللہ:	میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اس سے کہا کہ آپ سوار ہو جائیں، جب وہ سوار ہونے لگی تو اچانک اونٹنی بدکی جس کی وجہ سے اس کا کپڑا کجاوے میں الجھ کر پھٹ گیا۔
بڑھیا:	﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾
تَرجَمَة :	”اور جو مصیبت بھی تمھیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے سے پہنچتی ہے۔“
حضرت عبداللہ:	آپ کچھ دیر انتظار کریں تاکہ میں اس کو باندھ کر کجاوے کے تسمے درست کروں۔
بڑھیا:	﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ﴾
تَرجَمَة :	”سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی۔“
حضرت عبداللہ:	میں نے اونٹنی کو باندھ کر اس کجاوے کے تسمے درست کئے اور اس سے کہا کہ سوار ہو جائیے، پھر وہ سوار ہوئی اور کہنے لگی:
بڑھیا:	﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ

اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ ﴾

تَرْجَمَۃ : ”پاک ذات ہے وہ جس نے ہمارے تابع کر دیا اس سواری کو اور ہم تو ایسے تھے نہیں کہ اس کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو تو اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنا ہے۔“

حضرت عبداللہ: میں نے اونٹنی کی لگام تھامی اور شور کرتے ہوئے تیز تیز چلنے لگا۔

بڑھیا: ﴿ وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ ﴾

تَرْجَمَۃ : ”اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔“

حضرت عبداللہ: پھر میں شعر پڑھتے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

بڑھیا: ﴿ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ ﴾

تَرْجَمَۃ : ”سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔“

حضرت عبداللہ: (میں نے کہا) مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا ہے (اور یہ کہہ کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا)

بڑھیا: ﴿ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾ ﴾

تَرْجَمَۃ : اور نصیحت کو بس صاحبانِ فہم ہی قبول کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ: جب میں اس کو لے کر تھوڑی دور چلا تو میں نے اس سے کہا کہ کیا آپ کا خاوند زندہ ہے؟

بڑھیا: ﴿ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ ۚ ﴾

تَرْجَمَۃ : ”اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار گزریں۔“

حضرت عبداللہ: پھر میں نے اس سے بات نہیں کی یہاں تک کہ ہم قافلے تک پہنچ گئے تو میں نے اس سے کہا کہ یہ رہا آپ کا قافلہ اس میں آپ کا تعلق دار کون ہے؟

بڑھیا: ﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾

تَرجَمَة : ''مال اور اولاد دنیوی زندگی کی رونق ہیں۔''

حضرت عبداللہ: میں سمجھ گیا کہ اس کی اولاد اس قافلے میں ہے تو میں نے پوچھا کہ وہ قافلے میں کیا سرانجام دیتے ہیں؟

بڑھیا: ﴿ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴾

تَرجَمَة : ''علامتیں بھی بنائیں اور ستاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ: تو میں سمجھ گیا کہ اس کے لڑکے قافلے کے رہبر ہیں۔ میں اس کو لے کر لوگوں کے خیموں تک پہنچ گیا اور کہا کہ یہاں لوگ مجتمع ہیں آپ کا ان میں کون ہے؟ (آپ کے بیٹوں کے نام کیا ہیں؟)

بڑھیا: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ﴾

﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا ﴾

﴿ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ﴾

تَرجَمَة : ''اور اللہ نے تو ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا۔''

''اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام فرمایا۔''

''اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط پکڑو۔''

حضرت عبداللہ: میں نے ان چاند جیسے نوجوانوں کو ان کے نام لے کر پکارا کہ اے ابراہیم، اے موسیٰ، اے یحییٰ! وہ ہمارے پاس آئے۔

ابھی میں تھوڑی دیر ہی ٹھہرا تھا کہ اس بڑھیا نے کہا:

بڑھیا: ﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾

تَرجَمَة: ''اپنے میں سے کسی ایک کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے۔''

حضرت عبداللہ: پھر ان میں سے ایک کھانا لے کر آیا اور میرے سامنے رکھ دیا۔

بڑھیا: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـــًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝﴾

تَرجَمَة: ''کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے بدلے میں جو تم گزشتہ ایام میں کر چکے ہو۔''

حضرت عبداللہ: میں تمہارے اس کھانے کو ہرگز نہیں کھاؤں گا جب تک تم مجھ کو اس سارے معاملے کی صحیح صحیح اطلاع نہ دو۔

اولاد: یہ ہماری والدہ ہیں اور ان کو چالیس سال ہو چکے ہیں کہ کبھی قرآن کے علاوہ بات نہیں کرتیں اس بات کا خوف کرتے ہوئے کہ کبھی کوئی بات منہ سے ایسی نہ نکل جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ پس وہ پاک ذات ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت عبداللہ: ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾

تَرجَمَة: ''یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ فضل ہے جس کو چاہتے ہیں وہ عطا کرتے ہیں، اور وہ بڑے فضل والے ہیں۔''

قرآن کی تاثیر

نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے۔ قرآن کے وجوہِ اعجاز مختلف ہیں ان میں سے ایک اس کی وہ بے پناہ جاذبیت اور اس کی سحر آفرین تاثیر بھی ہے، یہ تاثیر اپنے ظاہری اثرات بھی رکھتی ہے اور باطنی اثرات بھی۔ قرآن کریم کی تلاوت اور سماعت دلوں میں ایک ہلچل سی پیدا کر دیتی ہے اور مسلم اور غیر مسلم اس کا اثر قبول کیے بغیر نہیں رہتے۔

کتابوں میں تاثیر قرآن کے جو واقعات ہیں وہ تین قسم کے ہیں:

1. ان صلحاء، قراء اور اہل علم کے واقعات جو قرآن پڑھتے تھے تو ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، ان کے دل کانپ جاتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے..... اس قسم کے کئی واقعات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔
2. ان سعادت مندوں کے واقعات جنہوں نے قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں یا سنیں تو ان کی کایا پلٹ گئی اور انہوں نے قرآن کی حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ایمان قبول کر لیا۔
3. ان معاندین اور مخالفین کے واقعات اور اقوال جو ایمان سے تو محروم رہے مگر زندگی کے کسی موڑ پر ان کی زبان قرآن کی تاثیر اور صداقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اگرچہ قرآن ان کی شہادتوں سے بے نیاز ہے لیکن "اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ" کے مصداق دنیا کی نظر میں یہ شہادتیں بڑا وزن رکھتی ہیں۔

تینوں قسم کے واقعات اور اقوال ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ ان واقعات اور اقوال کے سلسلہ میں ہمارا زیادہ انحصار علامہ خالد محمود صاحب کی وقیع کتاب ''آثار التنزیل'' اور جناب عبدالغنی فاروق صاحب کی کتاب ''ہم کیوں مسلمان ہوئے'' پر ہے۔

نجاشی کا اقرار:

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حبشہ کو ہجرت کی مشرکین نے وہاں شاہِ حبشہ کے دربار تک اپنی باتیں پہنچائیں اور اسے اسلام کے بارے میں بدگمان کرنا چاہا۔ نجاشی شاہ حبشہ نے بہت سے پادریوں اور راہبوں کو اپنے دربار میں جمع کیا اور ان مسلمانوں کو جو وہاں ہجرت کر گئے تھے، بلا کر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت ان کا عقیدہ دریافت کیا۔ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ''سورۂ مریم'' کی تلاوت کر دی۔ بادشاہ قسیس اور سب راہب درویش سن کر بہت روئے۔ قرآن کریم نے ان پر ایک عجیب حال پیدا کر دیا۔ بادشاہ نے اقرار کیا کہ یہ واقعی اللہ کا کلام ہے اور مسلمان ہوگیا اور کہا کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں جن کی حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے ایمان کی یہاں تک شہادت دی کہ جب وہ حبشہ میں فوت ہوا تو آپ نے مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

بے اختیار گریہ:

ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر (70) آدمیوں پر مشتمل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ نجاشی کے بھیجے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سورۂ یٰسین'' ان کے سامنے پڑھی وہ کلام الٰہی سن کے بے اختیار رو پڑے اور وقفِ گریہ و بکا ہوگئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر ﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا ﴾ (اے

ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے) کے الفاظ جاری تھے۔ ستر کے ستر مسلمان ہوگئے۔ ساتویں پارے کی ابتدائی آیات انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں:

﴿وَ إِذَا سَمِعُوْا مَآ أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾ (سورة المائدة: ۸۳)

ترجمة: ''اور جب سنتے ہیں جو اترا رسول پر تو دیکھے گا انہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اس وجہ سے کہ انہوں نے حق پہچان لیا۔''

جنوں کی گواہی:

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہوجاتی تھیں۔ جب حضور اکرم ﷺ پر وحی آنی شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہوگیا، جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر سخت پہرے بٹھلا دیئے گئے ہیں۔ اس جستجو میں جنوں کے مختلف گروہ مشرق ومغرب میں پھیل گئے۔ ایک جماعت بطن نخلہ کی طرف سے گزری وہاں حضور پرنور ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ قرآن کی آواز ان جنوں نے سنی اور وہ ان کو بہت عجیب مؤثر اور دلکش معلوم ہوئی، اس کی عظمت اور ہیبت ان کے دلوں پر چھا گئی اور وہ قرآن کی آواز پر فریفتہ ہوکر اسی وقت ایمان لے آئے۔ اور اپنی قوم سے جاکر یہ سارا ماجرا بیان کیا:

﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ إِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾

(سورة الجن: ۱،۲)

ترجمة: ''ہم نے سنا ہے عجیب کلام جو نیک راہ سمجھاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔''

قرآن کی عجیب قوت تاثیر، شریں بیانی اور حسن اسلوب نے ان کے لئے اسی وقت ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ آئے تھے تجسس کے لئے مگر اللہ تعالیٰ نے ایمان سے مالامال کردیا۔ کس کی تاثیر تھی؟ قرآن کریم کی۔

عجیب اثر:

ملا قوشجی ''ماوراء النہر'' کے ایک بہت بڑے عالم تھے۔ ایک دفعہ وہ روم گئے اور وہاں کے ایک یہودی عالم سے صداقتِ اسلام پر گفتگو کی۔ ایک مہینے کے قریب ہر دو میں گفتگو جاری رہی مگر وہ یہودی قائل نہ ہوا۔ ایک دفعہ وہ یہودی گفتگو کے لئے ملا جی کے پاس آجا رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور ملا جی قرآن پڑھ رہے تھے انہیں یہودی کے آنے کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ یہودی ٹھہر گیا اور بڑی توجہ سے قرآن سنتا رہا اس کے بعد وہ ملا جی کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے مسلمان بنالو۔ ملا جی نے تعجب سے پوچھا کہ میری ایک ماہ کی گفتگو تم پر اثر نہ کرسکی اب فوراً کون سی چیز ہے جس نے تجھے متاثر کردیا ہے؟ اس یہودی نے جواب دیا کہ میں نے عمر بھر تجھ سا کوئی بدآواز نہیں دیکھا مگر اس کے باوجود آج صبح جب تم قرآن پڑھ رہے تھے میں چپکے سے اسے سن رہا تھا تو اس نے میرے دل پر ایک عجیب اثر کیا۔ مجھے یقین آگیا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور میں مسلمان ہوگیا۔

ایک ہی آیت:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسلام کے بارے میں متردد تھا، دل اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ''سورۂ نحل'' کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ

يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (سورة النحل)

ترجمۃ: ''بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں عدل و احسان کا۔ اہل قرابت کو دینے کا اور روکتے ہیں بے حیائی سے، برائی سے اور سرکشی سے۔ نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم یاد رکھو۔''

یہ آیات سنتے ہی اسلام میرے دل میں اتر گیا اور میں حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گیا پھر میں نے اس آیت کو ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھا: اس نے سن کر کہا: اے میرے بھتیجے! پھر پڑھ۔ میں نے پھر پڑھی۔ اس نے کہا:

''وَاللّٰهِ إِنَّ لَهُ لَحَلَاوَةً وَإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَإِنَّ أَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَإِنَّ أَسْفَلَهُ لَمُغْدِقٌ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ الْبَشَرِ وَإِنَّهُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى.''

ترجمۃ: ''بخدا یہ کلام بڑا میٹھا ہے اور بے شک اس پر تازگی ہے، اس کا اوپر کا حصہ پھلدار ہے اور نچلا سیراب کرنے والا ہے اور نہیں یہ کسی انسان کا کلام۔ یہ غالب ہو کر رہے گا اور کبھی بھی مغلوب نہ ہو گا۔''

عرب کا مشہور حکیم اکثم بن صیفی بھی اس آیت کی فصاحت اور بلاغت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ یہ آیت باوجود کمال اختصار کے عقائد و اعمال اور اخلاق دین کی ہر نوع کو شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ خُلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امراً و نہیاً اس کے تحت داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ: قرآن میں اگر کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت ﴿ تِبْيَانًا

لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ کا ثبوت دینے کے لئے کافی تھی۔

فصاحت کو سجدہ:

ابوعبید لغوی کہتا ہے کہ ایک اعرابی نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ (سورة الحجر: ٩٤)

تَرْجَمَة : ''تو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا ہے۔''

وہ یہ آیت سنتے ہی سجدے میں گر گیا۔ جب اس سے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیسے کیا؟ اس نے کہا: ''اس کلام کی فصاحت کو۔''

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

حقیقت شناس لوگ اس کی حقیقتوں پر مطلع ہوئے، اہل دانش اس کے معنی و مطالب سے متاثر ہوئے اور اہل ادب و عربیت نے اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے گھٹنے ٹیکے۔ خدا کو سجدہ انہوں نے بعد میں کیا۔ پہلے وہ اس کلام کے آگے سجدہ ریز ہوئے۔

ضیاع عمر کا اقرار:

ابن مقفع جو اپنے وقت کا ایک بڑا بلند پایہ ادیب گزرا ہے، اس نے دعویٰ کیا کہ قرآن بے شک فصاحت اور بلاغت کی انتہا پر ہے لیکن میں بھی اس طرز کا کلام لکھ سکتا ہوں۔ اس نے اپنی کافی عمر اسی خیال میں ضائع کی اور اپنے خیال میں کچھ اس طرز پر لکھا بھی۔ ایک روز اسے ایک مکتب کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک لڑکا سورۂ ہود کی یہ آیت مبارکہ پڑھ رہا تھا:

﴿ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ (سورۃ الھود)

تَرْجَمَۃ: ''اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان! تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری۔ اور حکم ہوا دوری ہے ظالم قوم کے لیے۔''

ابن مقفع سنتے ہی حیرت زدہ اور مدہوش ہوگیا اور گھرا آکر اپنے سب لکھے کو مٹا دیا اور قسم کھا کر کہا کہ اس کلام کا کوئی معارضہ نہیں کر سکتا اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔

اس آیت کی وجوہِ فصاحت میں سے بعض وجوہ علامہ زمخشری نے کشاف میں اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں خوب بیان کیے ہیں۔

پھر جب یہ کام ہو چکا اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اترنے کا حکم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے عام سلامتی کی خبر دی کہ اب ساری نوع انسان پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئے گی تو اس موقع پر قرآن کا پیرایہ بیان دیکھیے:

﴿قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٨﴾ (سورۃ الھود)

تَرْجَمَۃ: ''حکم ہوا اے نوح! اتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ۔ تجھ پر اور ان قوموں پر جو تیرے ساتھ رہیں اور ایسی قومیں بھی ہوں گی جنہیں ہم کچھ وقت تک متاع دیں گے پھر انہیں پہنچے گا ہماری طرف سے عذاب دردناک۔''

ان عربی الفاظ کو پڑھیے اور الفاظ کی شکوہ اور صولت پر غور کیجیے۔ اوّل تو ان کا پڑھنا بھی خاصی ہمت سے ہوتا ہے اور پڑھ بھی لے تو پڑھنے والے ان الفاظ میں کھو

کر رہ جاتے ہیں۔

ثمر بار اور چشمہ دار:

ولید بن مغیرہ سرداران مکہ میں امیر ترین آدمی تھا۔ اپنے کفر و عناد میں دوسرے سرداروں سے پیچھے نہ تھا۔ اس کی مذمت میں قرآن مجید کی متعدد آیات بھی اتریں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا جس سے بہت متاثر ہوا، دِل پر رِقت طاری ہوگئی۔ ابوجہل یہ دیکھ کر غصے ہوا اور ولید کو طعن و تشنیع کی، ولید نے جواب میں کہا:

''فَوَ اللّٰهِ مَا فِيْكُمْ رَجُلٌ اَعْلَمَ بِالْأَشْعَارِ مِنِّيْ وَلَا اَعْلَمَ بِرِجْزٍ وَّلَا بِقَصِيْدَةٍ مِّنِّيْ وَلَا بِأَشْعَارِ الْجِنِّ وَاللّٰهِ مَا يُشْبِهُ الَّذِيْ يَقُوْلُ شَيْئًا مِّنْ هٰذَا وَوَاللّٰهِ إِنَّ لِقَوْلِهِ الَّذِيْ يَقُوْلُ حَلَاوَةً وَّإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَّإِنَّهُ لَمُثْمِرٌ أَعْلَاهُ مُغْدِقٌ اَسْفَلَهُ وَإِنَّهُ لَيَعْلُوْ وَمَا يُعْلٰى.''

تَرجَمَة: ''اللہ کی قسم! تم لوگوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی شخص اشعار رجز، قصیدہ اور جن (وشیاطین) کے اشعار (غرض تمام اصناف شعر) کو جاننے والا نہیں اور (میری شہادت یہ ہے کہ) اللہ کی قسم! محمد ﷺ کا لایا ہوا کلام ان اصناف شعر میں سے کسی صنف کے مشابہ نہیں اور اللہ کی قسم! محمد ﷺ جو کلام پڑھتے ہیں اس میں عجب حلاوت و شیرینی ہے۔ اس پر (ایک خاص) طراوت و تازگی ہے۔ اور وہ کلام اوپر سے ثمر بار اور نیچے سے چشمہ دار ہے۔ یقیناً وہ کلام غالب آکر رہے گا کبھی مغلوب نہ ہوگا۔''

ایک دوسری روایت میں اس سے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں:

''فَوَ اللّٰهِ مَا هُوَ بِشِعْرٍ وَّلَا سَحْرٍ وَّلَا بِهٰذَاءٍ مِثْلِ الْجُنُوْنِ وَإِنَّ قَوْلَهُ لَمِنْ كَلَامِ اللّٰهِ.''

(الخصائص الكبرىٰ للجلال السيوطي: ۱/۱۸۹)

تَرجَمَۃ : ''اللہ کی قسم! وہ نہ شعر ہے نہ سحر، نہ ہی مجنون کی بڑ، ان کا لایا ہوا کلام تو اللہ کا کلام ہے۔''

ایں چیزے دیگر است:

نضر بن حارث مکہ کا مشہور تاجر تھا۔ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی ذات والا سے دشمنی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ آپ ﷺ کی ایذاء رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ قرآن مجید کی آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ (سورة لقمان) بھی اسی کے متعلق نازل ہوئی، قرآن مجید سے حد درجہ بغض وعداوت رکھنے کے باوجود قرآن کی عظمت کا اس نے برملا اعتراف کیا۔ چنانچہ ایک موقع پر سردارانِ قریش سے خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا:

اے گروہ قریش! واللہ! (محمد ﷺ کی شکل میں) تم پر ایک ایسی آزمائش آگئی ہے جس سے تم پہلے کبھی دوچار نہیں ہوئے۔ دیکھو محمد ﷺ آغاز شباب سے ہی تم میں ایک پسندیدہ ترین، گفتگو میں راست ترین اور امانت ودیانت میں برزگ ترین انسان تھے۔ اب جبکہ تم لوگوں نے ان کی کنپٹی کے بالوں میں سفیدی دیکھی اور وہ تمہارے پاس قرآن لے کر آئے تو تم کہتے ہو یہ جادوگر ہیں۔ نہیں واللہ! وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر دیکھے ان کے جادو منتر بھی دیکھے۔ اور تم کہتے ہو: وہ کاھن اور غیب دان ہیں۔ نہیں، واللہ! وہ کاھن بھی نہیں، ہم نے کاھن دیکھے ہیں ان کا حال خوب دیکھا ہے ان کا مسجع کلام بھی سنا ہے۔ اور تم کہتے ہو: وہ شاعر ہیں۔ نہیں، واللہ!

وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر گوئی کی ہے اور اصناف شعر ھزج، رجز وغیرہ بھی سنے ہیں اور تم کہتے ہو: وہ مجنون ہیں۔ نہیں، واللہ! وہ مجنون بھی نہیں۔ (این چیزے دیگر است) (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 1/ 320۔ الخصائص الکبریٰ: 1/ 190)

مشرک کی پیشن گوئی:

مکہ کا معروف سردار عتبہ بن ربیعہ پورے قریش کا نمائندہ بن کر گفتگو کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، اور آپ ﷺ کو مال و دولت، حکومت و سیادت اور علاج معالجہ کی پیشکش کی آپ ﷺ نے جواب میں ''سورۃ حم السجدۃ'' کی تلاوت فرمائی جسے عتبہ ہمہ تن گوش سنتا رہا۔ قرآن مجید سن کر جب واپس گیا تو اس کے ساتھی دور سے ہی یہ دیکھ کر کہ اس کے تیور بدلے ہوئے ہیں، فکر مند ہو گئے، وہ جوں ہی مجلس میں پہنچا سب نے یک زبان ہو کر پوچھا: ابو الولید! کیا خبر لائے؟ عتبہ نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کئے:

میری خبر یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اللہ کی قسم! اس جیسا کلام کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! نہ وہ شعر ہے نہ جادو اور نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میرا کہا مان لو۔ اس کو مجھ پر چھوڑ دو۔ اور اس شخص کا راستہ چھوڑ دو۔ اس کے کام میں خلل نہ ڈالو۔ تم اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے جو اس سے کلام سنا ہے اس کی بڑی شان ظاہر ہونے والی ہے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 1/ 313، الخصائص الکبریٰ: 1/ 191)

اقرار بھی انکار بھی:

ایک رات ابو سفیان، ابو جہل اور اخنس بن شریق اپنے اپنے گھروں سے نکلے کہ رسول اللہ ﷺ کا قرآن سنیں۔ آپ ﷺ اپنے گھر میں تہجد پڑھ رہے تھے۔ ہر ایک الگ الگ جگہ بیٹھ کر سنتا رہا اور کسی کو دوسرے ساتھی کی موجودگی کا علم نہ ہوا۔ رات بھر

قرآن سنتے رہے جب صبح ہوئی تو لوٹ آئے۔ راستہ میں تینوں کی ملاقات ہوگئی تو تینوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور طے کیا کہ آئندہ لوٹ کر نہ آئیں گے۔ اگر ہمارے کم عقل عوام نے دیکھ لیا تو ان کے دلوں میں بھی قرآن کی عظمت آجائے گی۔ یہ کہہ کر تینوں لوٹ گئے۔ جب دوسری رات ہوئی تو ان میں ہر شخص پھر اپنی مقررہ نشست پر آگیا۔ اس طرح تینوں رات بھر قرآن سنتے رہے جب صبح ہوئی تو لوٹ آئے اور راستہ میں پھر ملاقات ہوئی تو پھر انہوں نے پہلی گفتگو دہرائی اور لوٹ آئے۔ جب تیسری رات ہوئی تو پھر ان میں سے ہر شخص اپنی نشست پر پہنچ گیا اور رات بھر قرآن سنتے رہے جب صبح ہوئی تو پھر لوٹ آئے پھر راستہ میں ملاقات ہوگئی۔ اب ایک دوسرے سے کہنے لگے: ہم مسلسل معاہدہ کر رہے ہیں کہ لوٹ کر نہ آئیں گے، اب پختہ عہد کرلو، یہ کہہ کر لوٹ گئے۔ صبح ہوئی تو اخنس بن شریق نے عصا لیا اور ابوسفیان کے گھر پہنچ گیا اس سے پوچھا: ابوحنظلہ! محمد ﷺ سے جو آپ نے (مسلسل تین شب قرآن) سنا اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا: کہ ابوثعلبہ! واللہ! میں نے بعض چیزیں تو ان سے ایسی سنی ہیں جن کا معنی ومطلب معلوم نہیں۔ اخنس بولا: میرا بھی یہی تاثر ہے۔ (گویا دونوں نے ایک حد تک قرآن کی صداقت کا اعتراف کرلیا)

پھر اخنس ابوجہل کے گھر آیا اور اس سے پوچھا: محمد ﷺ سے سنے ہوئے کلام کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ابوجہل نے کہا: (اصل قصہ یہ ہے کہ) شرف وعزت کے معاملے میں ہمارا بنی عبد مناف سے تنازع چلا آرہا ہے۔ انہوں نے سخاوت ومہمان نوازی کا مظاہرہ کیا تو ہم نے بھی یہ کام کر دکھایا۔ انہوں نے بخشش اور فیاضی کا مظاہرہ کیا تو اس شرف میں بھی ہم ان سے پیچھے نہ رہے۔ جب ہم ان کے برابر

رہے تو اب اس خاندان نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم میں ایک نبی ہیں جن پر آسمان سے وحی آتی ہے ہم اس کی مثل کہاں سے لائیں؟ واللہ! ہم اس پر کبھی ایمان نہ لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے اخنس نے یہ سنا تو اٹھ کر چلا گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام: صفحہ 337۔ الخصائص الکبریٰ: 1/192)

گویا ابو جہل نے اعتراف کرلیا کہ قرآن کی عظمت اور صداقت تو شک وشبہ سے بالاتر ہے مگر اسے تسلیم کرنے میں خاندانی رقابت مانع ہے۔ یہ منکرین جو قرآن کی عظمت کا اقرار کرنے کے باوجود دولت ایمانی سے محروم رہے، درحقیقت اس قرآنی آیت کا مصداق تھے جو فرعون اور اس کی قوم کے متعلق اتری:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾

(سورة النمل: ١٤)

ترجمہ: ”اور ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے منکر ہو گئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا۔“

مرادِ رسول ﷺ کی کایا پلٹ:

مرادِ رسول سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسلام سب کو معلوم ہے کہ جب آپ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام کی خبر پہنچی تو غضب ناک ہو کر ان کے گھر پہنچے اور دروازہ پر دستک دی اندر سے پوچھا گیا: کون؟ آپ نے جواب دیا: ابن خطاب، آپ کی آواز سنتے ہی اندر جو چند آدمی بیٹھے قرآن مجید پڑھ رہے تھے، چھپ گئے اور قرآنی اوراق وہیں چھوڑ گئے۔ بہن نے دروازہ کھولا تو اسے یہ کہہ کر کہ دشمن جاں! تو بھی بے دین ہو گئی، مارنا شروع کر دیا، بے تحاشا مارتے رہے حتیٰ کہ لہولہان کر دیا، آگے سے وہ بولی ابن خطاب! جو کچھ ہو کر لو میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ یہ غصہ سے بھرے ہوئے

چارپائی پر بیٹھ گئے۔ گھر کے ایک کونے میں قرآن کے اوراق پر نظر گئی تو پوچھا کہ یہ کیسی کتاب ہے؟ مجھے دکھاؤ۔ بہن نے جواب دیا کہ تمھیں نہیں دوں گی کہ تم اس کے اہل نہیں۔ نہ تم غسل جنابت کرتے ہو نہ پاک صاف رہنے کا اہتمام کرتے ہو، جب کہ اس کتاب کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں لیکن ان کے پیہم اصرار پر بہن نے وہ اوراق دکھا دیئے۔ پڑھنا شروع کیا ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ دیکھ کر گھبرا گئے اور اوراق کو چھوڑ دیا پھر دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو ''سورۂ حدید'' کی آیات تھیں: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ جب آٹھ آیات دیکھ چکے تو کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ (اسد الغابہ: صفحہ 454 وغیرہ)

اس سے پہلے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حالت کفر میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی ایذاء رسانی کے ارادے سے نکلا تو دیکھا کہ آپ مسجد میں مصروفِ عبادت ہیں میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا آپ نے ''سورۃ الحاقۃ'' شروع کی میں قرآنی جملوں کی عجیب تراکیب سے بہت محظوظ اور متعجب ہوا اور دل میں کہا: قریش والے سچ کہتے ہیں واللہ! یہ شخص شاعر ہے لیکن جب آپ نے یہ آیتیں پڑھیں: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (شاعر کی نفی سن کر) میں نے کہا کاھن ہیں، لیکن اس کے بعد آپ ﷺ نے اگلی آیات پڑھیں: ﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (الی آخر السورۃ) سننے کے بعد قرآن کی عظمت کا نقش میرے دل میں بیٹھ گیا۔ (ایضاً: 4/53)

پہلے خوش نصیب:

حضرت اسعد بن زرارہ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ اپنے ساتھی ذکوان بن عبد قیس کے ساتھ کسی کام سے مکہ مکرمہ آئے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ

کا چرچا سنا تو آپ کی خدمت میں پہنچے آپ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور دعوت اسلام پیش کی۔ دونوں حضرات اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ یہ دونوں پہلے خوش نصیب انسان ہیں جو اسلام کی خبر لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ (طبقات ابن سعد:2/139)

اللہ کا فیصلہ:

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ مکہ میں آئے تو اہل مکہ نے انہیں ڈرایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی ہے۔ ان کے کلام میں جادو کی تاثیر ہے لہٰذا آپ ان سے دور رہیں۔ انہیں اس قدر ڈرایا کہ انہوں نے ڈر کے مارے کانوں میں روئی بھر لی مبادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کان میں پڑ جائے۔ کہتے ہیں جب میں صبح کے وقت مسجد حرام میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے قریب نماز پڑھتے دیکھا۔ میرے نہ چاہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن سنانے کا فیصلہ فرما لیا۔ چنانچہ میرے کانوں میں ایک عمدہ اور شیریں کلام کی آواز پڑ ہی گئی۔ میں نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کی کہ میں ایک عاقل و دانا شاعر انسان ہوں۔ اچھے اور برے کلام کی تمیز میرے لئے مشکل نہیں۔ تو اس شخص کا کلام سننے سے کیا چیز مانع ہے؟ اگر عمدہ کلام ہوا تو قبول کر لوں گا۔ پیچھے پیچھے چلا۔ اور گھر پہنچ کر عرض کیا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کی قوم نے مجھے آپ سے اتنا ڈرایا کہ میں نے کانوں میں روئی بھر لی تھی مگر اللہ تعالیٰ مجھے سنانے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے میں نے سن لیا جو بہت عمدہ کلام تھا۔ اب میں حاضر خدمت ہوں۔ آپ اپنا پیغام اور مقصد بیان کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا اللہ کی قسم! میں نے قرآن سے بڑھ کر عمدہ اور بھلا کلام زندگی میں کبھی نہیں سنا اور نہ اس سے بڑھ کر سیدھی اور سچی بات سنی پس میں اس

وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ قوم کے لئے عظیم مبلغ اور داعی بن کر گئے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 2/ 22۔ اسد الغابہ: 3/ 54)

مختصر ہدیہ:

ثمامہ بن اثال کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص اور مدینۃ النبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی جگہ قابل نفرت نہ تھی اسے صرف دو یوم تک قرآن پاک کے استماع کا موقع ملتا ہے۔ رشد و ہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ جب اسے بلا شرط آزادی مل جاتی ہے تو خود بخود حاضر ہوتا ہے اسلام لاتا ہے اور دل و جان کو مختصر ہدیہ کی طرح حضور کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔

(رحمۃ اللعالمین: 3/ 780)

صداقت کا بیج:

قریش کے معزز ترین سردار اور حلم و بردباری کے پیکر حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے غزوہ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں مدینہ طیبہ آئے، اس دوران صحابہ کرام کی نماز اور دوسرے دینی معمولات کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ ایک مرتبہ نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ۝﴾ (سورة الواقعة)

تَرجَمَۃ: ''کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔ یا انہوں نے آسمان و زمین پیدا کیا ہے بلکہ یہ لوگ یقین نہیں لاتے، کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ

لوگ حاکم ہیں۔“

یہ آیات سن کر دل کا جو حال ہوا وہ خود بیان فرماتے ہیں:

”كَادَ قَلْبِيْ أَنْ يَّطِيْرَ“ (صحيح البخاري: ٧٢٠/١)

تَرجَمَة: ”لگتا تھا کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔“

حالانکہ اس وقت اسلام سے بہت دور تھے کفر کی نمائندگی کر رہے تھے۔ مگر ان قرآنی آیات نے ان کے قلب میں عظمت و صداقت کا جو بیج بو دیا تھا وہ بالآخر بارآور ثابت ہوا اور فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔

شہادت سے پہلے:

حضرت سوید بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں معزز اور شریف النسب انسان تھے۔ علم و حکمت کے سبب قوم کے لوگ انہیں کامل کے لقب سے یاد کرتے۔ زمانۂ اسلام میں یہ حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ آئے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے انہیں اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ سوید بولے: شاید آپ کے پاس وہی چیز ہے جو میرے پاس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کے پاس کیا چیز ہے؟ سوید بولے: ”مجلة لقمان۔“ یعنی حکمۃ لقمان۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سناؤ انہوں نے سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کلام عمدہ ہے مگر جو کلام میرے پاس ہے وہ اس سے کہیں افضل ہے۔ وہ ہے قرآن جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ کتاب ہدایت اور نور۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآن کی تلاوت فرمائی اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بولے یہ کلام تو بہت عمدہ ہے پھر واپس مدینہ چلے آئے مگر زیادہ وقت نہ گذرا کہ خزرج کے لوگوں نے انہیں شہید کر دیا۔ (البدیہ والنہایہ: 3/3147)

سدا بہار کلام:

قیس بن عاصم منقری رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اتارا گیا وہ مجھے سنایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے ''سورۃ الرحمن'' تلاوت فرمائی انہوں نے کہا کہ پھر سنایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار دھرائی انہوں نے پھر فرمائش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار بھی پڑھی۔ قیس بولے:

''اللہ کی قسم! یہ کلام تو سدا بہار ہے، اس میں شیرینی اور مٹھاس ہے۔ نیچے سے سرسبز وشاداب اور اوپر سے پھلدار ہے۔ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔'' پھر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ (الجامع لاحکام القرآن:9/99)

بلا تعصب اور بافہم مطالعہ:

سیاہ فام امریکی خاتون محترمہ آمنہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ میں مسلمان کیوں ہوئی؟ بتاتی ہیں:

میرے دل میں قرآن پڑھنے کا خیال پیدا ہوگیا، اور میں نے انگریزی میں ترجمہ قرآن کا ایک نسخہ حاصل کرلیا۔ قرآن پاک کے اس ترجمہ نے مجھے عجیب طرح کا روحانی سرور بخشا جسے میں بیان نہیں کرسکتی۔ آج میں سمجھتی ہوں کہ اگر کوئی بھی شخص دلچسپی اور انہماک اور لگن سے قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ اس مقدس کتاب کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ:25)

اس کے بعد اپنی قوم کے نو مسلم یوسف کے ذریعے مزید دینی معلومات حاصل کیں اور کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوگئیں۔

مسلسل اور گہرے مطالعہ کا نتیجہ:

ابراہیم کوان (ملائیشیا) جو ساٹھ سال تک پروٹسٹنٹ عیسائی رہے، بالآخر آغوش

اسلام میں آکر پناہ لی۔اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ:

آپ کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک فرقوں میں بُعد واختلاف کی شدت کا کیا عالم ہے؟ اوران کے منہجی عقائد باہم دگر کتنے مختلف ہیں۔اس کیفیت نے مجھے سخت پریشان کیا اور گھبرا کر میں نے قرآن کا سہارا لیا جن آیتوں نے میری رہنمائی فرمائی، یہ ہیں:

﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴾ (آل عمران)

ترجمہ: ''اس نے آپ پر (اے نبی) کتاب نازل کی جو حق لے کرآئی ہے اوران کتابوں کی تصدیق کررہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں اس سے پہلے انسانوں کی ہدایت کے لئے تورات اورانجیل نازل ہوچکی ہے۔''

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (آل عمران)

ترجمہ: ''اے نبی! کہہ دیجئے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیم، اسمعیل ''اسحٰق'' یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل ہوئی تھیں، اس ہدایت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی، ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان (مسلم) ہیں۔''

قرآن کے مسلسل اور گہرے مطالعے نے مجھے حقیقت کے قریب کر دیا اور عیسائیت کے عقائد کا کھوکھلا پن مجھ پر واضح ہوتا چلا گیا۔ مثال کے طور پر عقیدۂ تثلیث وہ گورکھ دھندہ ہے جسے ہر عیسائی سمجھے بغیر اختیار کرتا ہے حالانکہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب ہے ہی نہیں جس میں اس پیچیدہ مسئلے کی وضاحت یا تفہیم موجود ہو۔ اس کے مقابلے میں اسلام توحید کا صاف ستھرا اور عقلی و منطقی عقیدہ رکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی میں کوئی شریک نہیں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ذات و صفات میں وہ یکتا ہے اور محمد ﷺ اس کے آخری رسول اور نبی ہیں۔ میرے نزدیک اسلام اور عیسائیت میں یہی بنائے امتیاز ہے۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ: 34)

مکمل سچائی کا دین:

بیگم مولانا عزیز گل صاحب رحمہ اللہ جو عیسائی سے ہندو اور ہندو سے مسلمان بنیں اور اسلام کا سبب مطالعہ قرآن تھا۔ قرآن کے متعلق کہتی ہیں:

اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی میں سمجھتی تھی کہ مسلمان ایک قسم کے ڈاکو ہوتے ہیں جو ہر قسم کا ظلم کر سکتے ہیں لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں یہ تو سراسر حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا یہ عملی دیدانت تھا۔ آہ! میں اب تک کن اندھیروں میں تھی افسوس کہ یورپی مستشرقوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے وہ مذہب جسے میں خونخوار بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی، مکمل سچائی کا دین تھا۔

(ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ: 66)

انکشاف:

حسین رؤف (انگلستان) جن کے والد رومن کیتھولک اور والدہ یہودی تھیں۔ انہوں نے عیسائیت سے بددل ہو کر مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا بالآخر مطالعہ قرآن کے

نتیجے میں مشرف باسلام ہو گئے۔فرماتے ہیں:

بہرحال میں نے مسلمان مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ایک مسلمان کا ترجمہ قرآن پڑھا تو مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ مجھے میری منزل مل گئی ہے اور میں سالہا سال سے اسی گوہر مقصود کا متلاشی تھا۔(ہم کیوں مسلمان ہوئے؟صفحہ:83)

حکیمانہ اسلوب:

سیف الدین ڈرک (جرمنی) جو کٹر قسم کے کیتھولک عیسائی تھے، مطالعہ قرآن کے نتیجے میں کٹر مسلمان بن گئے۔فرماتے ہیں: میں نے قرآن پاک کے مقدس ومطہر اوراق میں اپنے مسائل کا حل پالیا۔میری ساری روحانی حاجتوں کی تسکین ہوگئی، اور میرے سارے شکوک وشبہات ہوا میں تحلیل ہو کر یقین کی صورت اختیار کر گئے۔اللہ نے اپنے نور کی طرف کچھ اس انداز سے رہنمائی فرمائی کہ مجھے مزاحمت کا یارا ہی نہ رہا اور میں نے نہایت خوش دلی کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیا۔قرآن کے حکیمانہ اسلوب نے ہر چیز نکھار کر رکھ دی۔اب ہر شے میں مجھے اس کی حکمت نظر آنے لگی میں نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔کائنات کی حقیقت سمجھ میں آنے لگی اور اس کے خالق و مالک کی حیثیت متعین ہو کر سامنے آگئی۔قرآن نے مجھے اس امر سے آگاہی بخشی کہ میں اب تک گمراہیوں میں بھٹک رہا تھا۔(ہم کیوں مسلمان ہوئے؟صفحہ:132)

آخری اور سچی ہدایت:

ڈاکٹر عبداللہ علاؤ الدین (جرمنی) جو''سورۂ اخلاص'' کا ترجمہ کسی رسالہ میں دیکھ کر متاثر ہوئے اور اسلام کے متعلق مزید جستجو شروع کی۔آخر قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد عیسائیت کو خیر باد کہا اور مشرف باسلام ہو گئے۔کہتے ہیں کہ: میں ایک غریب آدمی ہوں اس لئے جرمنی سے استنبول تک میں نے سائیکل پر سفر کیا،

میں استنبول پہنچا اور قرآن شریف کو اس خیال سے پڑھنا شروع کیا کہ کتاب مقدس (بائبل) تورات، زبور اور انجیل کی جس طرح غلطیاں تلاش کرتا رہا ہوں اسی طرح اس کتاب کی غلطیاں ڈھونڈوں گا لیکن جوں جوں اس کی تلاوت اور مطالعہ سے مستفیض ہوتا گیا میرے ایمان میں اضافہ ہوتا رہا کہ یہی وہ آخری اور سچی ہدایت ہے جس کی مجھے تلاش تھی اور یقین ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے میں 1954ء میں استنبول ہی میں مسلمان ہوگیا۔ الحمدللہ! مجھے اسلام کی دولت نصیب ہوگئی۔

(ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ: 160)

پرشکوہ مگر سادہ اسلوب:

ڈاکٹر عزیز الدین (بھارت) جو ہندو مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے، اس کا سبب وہ خود بیان کرتے ہیں: میں نے قرآن کا اور پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ کیا اور مجھے ان سارے سوالات کے جوابات مل گئے جو برسہابرس سے مجھے پریشان کئے ہوئے تھے اور کسی مذہب اور فلسفہ نے مجھے ان کے سلسلے میں مطمئن نہیں کیا تھا...... مذہب اسلام کی پہلی خصوصیت جس نے مجھے غیر معمولی انداز میں متاثر کیا وہ اس کی تاریخی حیثیت ہے۔ اس مذہب کی بنیاد ایک ایسی کتاب پر استوار ہے جس میں صدیاں گذر جانے کے باوجود آج تک معمولی سی تبدیلی واقع نہیں ہوئی..... یہ کتاب ایک صحیفہ واحد ہے اور اس میں ایسا حیرت انگیز تسلسل اور یک رنگی ہے کہ کوئی بھی غیر متعصب اور منصف مزاج انسان اس کے برحق ہونے میں شبہ نہیں کرسکتا۔ پھر اس کا پُرشکوہ مگر سادہ اسلوب انسانی نفسیات کے عین کے مطابق مسائل کا ادراک اور مادی و روحانی معاملات میں انسان کی مکمل اور قابلِ عمل رہنمائی، اسے ایک ابدی کتاب ماننے پر مجبور کرتی ہے۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ: 174)

جدید ترین حقائق:

ڈاکٹر علی سلمان (فرانس) جو فرنچ کیتھولک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اپنے اسلام قبول کرنے کا سبب بتاتے ہیں: اسلام کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا، اسی ضمن میں میں نے مالک بن نبی کی قرآن کے بارے میں قابل قدر فرانسیسی کتاب بھی پڑھ ڈالی مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے۔ چنانچہ مجھے یہ خوشگوار حیرت ہوئی کہ اگرچہ قرآن کو نازل ہوئے تیرہ صدیاں گذر گئیں لیکن اس کی بعض آیتیں مختلف معاملات میں ہو بہو وہی رائے دیتی ہیں جو جدید ترین فکر کے حامل محقق دے سکتے ہیں ان حقائق نے میرے دل کی دنیا بدل کر رکھ دی اور میں نے اسلامی کلمے کے دوسرے حصے محمد رسول اللہ ﷺ کا بھی اقرار کر لیا۔ یہی وجوہ تھیں جن کی بناء پر میں نے 20 فروری 1953ء کو پیرس کی مسجد میں حاضری دی اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ: 182)

ایک تمثیل وجۂ تبدیل:

ڈاکٹر غرینیہ (فرانس) جو فرانسیسی پارلیمنٹ کے رکن بھی تھے، اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں: میری جوانی سمندری سفروں میں گذری ہے، مجھے سمندر کے نظاروں اور سفروں کا شوق اس قدر دامن گیر تھا کہ ہمیشہ آبی مخلوق بنا رہتا تھا۔ میں اپنے شب و روز پانی اور آسمان کے درمیان بسر کرتا تھا اور اس قدر مسرور تھا کہ گویا میری زندگی کا مقصد یہی ہے۔ میرا دوسرا معمول کتابوں کے مطالعے میں منہمک رہنا تھا جب بھی فارغ ہوتا کوئی کتاب لے کر بیٹھ جاتا۔ مطالعے کا شوق مجھے قرآن کے ایک فرانسیسی ترجمے تک لے آیا یہ ترجمہ موسیو قاری کے قلم سے تھا۔ میں اس نسخے کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ ''سورۂ نور'' کی ایک آیت پر نظریں جم کر رہ گئیں۔ اس میں

ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔ اس آیت میں کسی گمراہ کی حالت کے متعلق ایک نہایت ہی عجیب تمثیل بیان کی گئی تھی۔ یعنی گمراہ شخص حالت کفر میں اس طرح ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے جیسے ایک شخص اندھیری رات میں جبکہ بادل چھائے ہوئے ہوں، سمندر کی لہروں کے نیچے ہاتھ پاؤں مارتا ہو:

﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ﴾ (سورۃ النور: ٤٠)

تَرجَمَة: ''اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرے کے اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہو اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل تاریکی پر تاریکی مسلط ہے آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے۔''

جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میرا دل تمثیل کی عمدگی اور انداز بیان کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا اور میں نے خیال کیا محمد ﷺ ضرور ایسے شخص ہوں گے جن کے دن اور رات میری طرح سمندروں میں گذرے ہوں گے لیکن اس خیال کے باوجود مجھے حیرت تھی اور پیغمبر اسلام کے کمال اسلوب کا اعتراف تھا کہ انہوں نے گمراہیوں کی آوارگی اور ان کی جدوجہد کی بے حاصلی کو کیسے مختصر مگر بلیغ اور جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔ گویا وہ خود رات کی تاریکی، بادلوں کی دبیز سیاہی اور موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اس قدر گنتی کے لفظوں میں ایسی جامعیت کے ساتھ خطرات بحر کی صحیح کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے

تھوڑی ہی عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد عربی امی محض تھے اور انہوں نے زندگی بھر کبھی سمندر کا سفر نہیں کیا تھا۔ اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہو گیا میں سمجھا کہ یہ محمد کی آواز نہیں بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ میں نے قرآن کا دوبارہ مطالعہ کیا اور متعلقہ آیت کا خوب غور سے تجزیہ کیا۔ اب میرے سامنے مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا چنانچہ شرح صدر کے ساتھ کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ:199)

نہ مٹنے والا نقش:

محمد امین (انگلستان) عیسائیت سے اسلام کی طرف آنے کا سبب بیان کرتے ہیں:

مجھے مطالعے کا شوق تو تھا ہی ایک روز دوست کی لائبریری میں سیل کا ترجمہ قرآن جو دیکھا تو اسے لے کر پڑھنے بیٹھ گیا۔ یہ قرآن سے میرا پہلا براہ راست تعارف تھا، اس سے قبل میں نے اسلام اور قرآن کے بارے میں جو کچھ پڑھا یا سنا تھا اس کا تاثر بڑا ہی منفی تھا۔ سیل نے بھی ترجمے میں جگہ جگہ مخاصمانہ تنقید و تبصرے کا انداز اختیار کیا تھا مگر اس کے باوجود توحید خداوندی کا ایک نہ مٹنے والا نقش میرے دل میں بیٹھتا چلا گیا اور بالکل نئی روشنی سے آشنا ہوا اس کے بعد تو یہ حال ہوا کہ اسلام کے بارے مجھے جو کتاب بھی ملتی وہ پڑھ ڈالتا۔ مشکل یہ تھی کہ ان کتابوں کے بیشتر مصنفین تعصب اور تنگ نظری کا شکار تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ لوگ اسلام کے بارے میں اچھی رائے قائم کریں تاہم قرآن سے شناسائی ہوئی اور میں نے انجیل پر نئے سرے سے غور شروع کیا تو اس کے تضادات کھل کر سامنے آنے لگے۔ مثال کے طور پر حضرت مسیح کہتے ہیں کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی: 15۔ 24) جبکہ قرآن کے مطابق پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ

تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پھر یوں بھی انجیل متی باب 5 آیت 17۔18 کی رو سے حضرت مسیح موسوی شریعت کے پابند تھے جبکہ حضرت محمد ﷺ ایک مکمل خود مختار ضابطہ لے کر آئے تھے۔ میرے دل میں اسلام کے لئے محبت بڑھتی جا رہی تھی۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ:219)

خوشگوار حیرت:

فارض رحمت اللہ (امریکی) اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

تجسس کا شعلہ میرے دل میں بھڑک اٹھا ذرا اسلام کا مطالعہ بھی کر دیکھوں مطالعہ کا آغاز ناقدانہ انداز میں کیا پھر رہ رہ کر مایوسی بھی آ لیتی گئی اور دوسرے مذاہب کی طرح اس کے دامن میں بھی کیا خبر کچھ ملے گا یا نہیں؟ لیکن رفتہ رفتہ مایوسی کی جگہ امید اور ناقدانہ انداز کی جگہ خوشگوار حیرت نے لے لی۔ علامہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن پڑھا تو مجھے اپنے نفس کی گرہیں کھلتی ہوئی دکھائی دیں۔ قرآن کے معانی دل کی گہرائیوں میں نقش ہوتے چلے گئے۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری فطرت اسی طریق زندگی کی تلاش میں تھی۔ قرآن کے مطالب پر غور و تدبر میں اضافے کے ساتھ ساتھ واضح ہوتا چلا گیا کہ اسلام کی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اب وقت کا زیادہ حصہ قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں گزرنے لگا۔ میں نے دیکھا اس مقدس کتاب ہدایت میں میری روح کی ہر احتیاج کا سامان موجود ہے چنانچہ میں مسلمان ہو گیا۔

(ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ ص:263)

ابدی صداقتوں کی کرن:

ولیم بشیر پکارڈ (انگلستان) پہلی جنگ عظیم کے دوران 1914ء میں گرفتار ہو کر جرمن چلے گئے۔ یہاں دورانِ قید انہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا۔ کہتے ہیں:

میری صحت بحال ہوئی اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو میں نے ساواری کا فرانسیسی ترجمہ قرآن خرید لیا (یہ آج بھی میرے پاس موجود ہے اور جان سے زیادہ عزیز ہے) میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس موقع پر قرآن نے مجھے مسرت واطمینان کی کن انتہاؤں سے ہمکنار کیا۔ یوں لگتا تھا کہ ابدی صداقتوں کی کوئی کرن اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ میرے دل پر نازل ہو رہی ہے جس کی ٹھنڈی روشنی روح کی گہرائیوں میں اترتی جا رہی ہے...... جنگ بند ہوئی تو میں دسمبر 1918ء میں رہا ہو کر وطن واپس آ گیا 1921ء میں، میں نے لندن یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات میں داخلہ لے لیا۔ میرا ایک مضمون عربی تھا جس کے لئے مجھے کنگز کالج میں لیکچر سننے کے لئے جانا ہوتا تھا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ عربی کے استاد (عراق کے مرحوم جبل شاہ) نے لیکچر کے دوران قرآن کا ذکر کیا اور کہا: ''خواہ آپ کا اس پر ایمان ہو یا نہ ہو لیکن آپ اس کو بے حد دلچسپ اور قابل قدر پائیں گے۔ لیکن میں تو اس کتاب کی صداقت پر یقین رکھتا ہوں'' میں نے فوراً جواب دیا۔ اس پر وہ پہلے تو بہت متعجب ہوئے پھر خوشی کا اظہار کیا اور تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد انہوں نے لندن کے نوٹنگ گیٹ پر واقع مسجد میں آنے کی دعوت دی میں وہاں گیا نماز میں شریک ہوا اور اسلامی تعلیمات سمجھنے کی مزید کوشش کی میں بعد میں بھی اکثر مسجد میں چلا جاتا اور نماز میں شامل ہو جاتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شرح صدر عطا کر دیا اور میں نے یکم جنوری 1922ء کو مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ (ہم کیوں مسلمان ہو گئے؟ صفحہ: 274)

فطری اور آفاقی پیغام:

عامر علی داؤد (انگلستان) نے قبول اسلام کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا:

''بدقسمتی سے میں نہ عربی زبان سے واقف ہوں نہ اردو پڑھ سکتا ہوں تاہم میں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ حاصل کیا اور پوری توجہ سے اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔

ابتداء ہی سے میرے ذہن کی گرہیں کھلنے لگیں اور مجھے میرے ہر سوال کا جواب مل گیا ...... قرآن کے مطالعے نے فکر کی بہت سی الجھنیں صاف کردیں اور انجیل کے تضادات ابھر کر سامنے آگئے ...... یہ بات عیاں ہوگئی کہ انجیل اور زبور زبردست تحریف کا شکار ہوچکی ہیں ...... قرآن کے بعد میں نے اسلام کے موضوع پر بہت سی دوسری کتابیں بھی پڑھیں اور میرا یہ خیال یقین کی صورت اختیار کرتا چلا گیا کہ قرآن اور اسلام کا پیغام فطری اور آفاقی ہے۔(ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ:345)

آب حیات کے قطرے:

معروف مستشرق ماہر لسانیات ادیب و محقق ڈاکٹر عبدالرحمن بارکر (امریکہ) اپنے اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: خود بخود خیال آیا کہ قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے ''سورۂ کوثر'' کھولی اور پڑھنا شروع کیا چھوٹے چھوٹے بول میرے دل میں تیر و نشتر کی طرح پیوست ہوتے چلے گئے۔ ان کے ترنم نے میرے کانوں میں رس گھول دیا معلوم نہیں ان میں کیا جادو تھا کہ میری زبان بے اختیار انہیں دہرانے لگی پڑھتا چلا گیا میں نے یوں محسوس کیا کہ آب حیات کے قطرے مرجھائے پھولوں کو تازگی اور شگفتگی بخش رہے ہیں۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ:378)

روح کی پکار:

فرانس کے نامور سرجن محقق اور متعدد کتابوں کے مصنف ڈاکٹر موریس بوکا ٹلے سے پوچھا گیا: کیا آپ نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ تو جواب میں کہا: میں یہ وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ عربی زبان سیکھنے کے بعد جب میں نے قرآن کو سمجھ کر پڑھنا شروع کیا تو مجھے فوراً ہی شرح صدر حاصل ہوگیا کہ اللہ وحدہ لاشریک اور ہر چیز پر قادر ہے اور جوں جوں میں قرآن کے مطالعہ کے قریب ہوتا گیا میری

روح پکار پکار کر گواہی دیتی رہی کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کے آخری نبی محمد ﷺ پر براہ راست نازل کیا گیا ہے چنانچہ میں نے اپنی کتاب "بائبل قرآن اور سائنس" میں اسی نوعیت کے حقائق کو بیان کیا ہے اور پوری مسیحی دنیا میں میری کتاب نے متذکرہ نقطہ نظر سے خاص کامیابی حاصل کی ہے۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ: 408)

منزلِ مقصود کی تلاش:

یوسف اسلام (انگلستان) بیان کرتے ہیں: میں ایک ایسی ناؤ کی مانند تھا جو پتوار اور کھیوہارن کے بغیر چلی جارہی تھی اور جس کی کوئی منزل مقصود نہ تھی لیکن جب میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اس کے لئے تخلیق کیا گیا اور یہ میرے لئے اتارا گیا ہے۔ میں ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ تک اس کا بار بار مطالعہ کرتا رہا۔ اس دوران میری ملاقات کسی بھی مسلمان سے نہ ہوئی۔ میں قرآن کے پیغام میں پوری طرح مستغرق ہو چکا تھا میں جانتا تھا کہ اب جلدی ہی یا تو مجھے پوری طرح ایمان لے آنا ہوگا یا پھر اپنی ہی راہ پر چلتے چلتے موسیقی کی دنیا میں کھوئے رہنا ہوگا یہ میری زندگی کا سب سے مشکل اقدام تھا۔ ایک روز مجھے کسی نے بتایا کہ لندن میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے پس اب میرے لئے اپنا دین قبول کرنے کا وقت آپہنچا تھا 1977ء کے موسم سرما کی بات ہے کہ ایک جمعہ کے روز میں مسجد کی طرف چل کھڑا ہوا نماز جمعہ کے بعد امام صاحب کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوا ہوں، مسلم برادری سے یہ میرا پہلا رابطہ تھا۔ (ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ صفحہ: 412)

مزید تاثّرات:

اگرچہ قرآن کے بارے میں غیر مسلموں کے تاثرات پہلے بھی عرض کیے جاچکے ہیں لیکن یہاں چند یورپی دانشوروں، اربابِ قلم اور مشہور لیڈروں کے چند مزید تاثرات

پیش کیے جا رہے ہیں......ان تاثرات کے مطالعہ سے قبل عشق رسول اور عشق قرآن میں تازگی پیدا کرنے کے لئے چند ہندو اور سکھ شعراء کے اردو اشعار سن لیجئے:

جہاں جہاں حضور کا نام آیا ہے اور آپ کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے وہاں آپ لفظ قرآن رکھ دیجئے اور یہ کوئی تحریف بھی نہیں اس لیے کہ ہمارے نزدیک دونوں قرآن ہیں ایک علمی قرآن ہے دوسرا عملی قرآن ہے قرآن میں جو کچھ قال ہے وہ ہمارے آقا ﷺ کی زندگی میں حال ہے۔

مثلاً کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کا مشہور شعر ہے:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد (ﷺ) پہ اجارہ تو نہیں

آپ دوسرے مصرعہ کو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں:

صرف مسلم کا قرآن پہ اجارہ تو نہیں

اسی مفہوم کو فراق گورکھپوری رگھوپتی سہائے نے یوں ادا کیا ہے:

انوار بے شمار معدود نہیں
رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمد کا مقام
وہ امت اسلام میں محدود نہیں

چند اشعار مزید سن لیجئے:

معروف ہندو شاعر شیش چندر سکسینہ کہتا ہے:

یہ ذات مقدس تو ہر انسان کو ہے محبوب
مسلم ہی نہیں وابستہ دامان محمد ﷺ سے

روبندر، روہندر جیسن کہتے ہیں:

آپ ﷺ کے ماننے والوں میں ضروری تو نہیں
صرف شامل ہوں مسلمان رسول اکرم ﷺ

گوپی امن ناتھ کو بھی فخر ہے:

شفیع امم رحمت عالمین ہے
فقط وہ متاع مسلمان نہیں ہے

سرداری لعل نشتر آپ کی عالمگیر محبوبیت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

کیا دل سے بیاں ہو تیرے اخلاق کی توصیف
عالم ہوا مداح تیرے لطف وکرم کا

شستہ زبان:

الیف-ایف- آر بتھناٹ (F.F Arbuthnot) کہتا ہے:

ادبی نقطہ نظر سے قرآن کریم خالص عربی زبان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے جس کی عبارت آدھی نظم اور آدھی نثر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ماہرین صرف ونحو نے اس کی آیات کی روشنی میں گرامر کے بیشتر قواعد وضع کیے ہیں اور جہاں تک اس کی شستہ زبان و عبارت کا تعلق ہے، کئی کوششوں کے باوجود آج تک کوئی شخص بھی اس کے مقابل عبارت بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ قرآن حکیم کو مکمل طور پر (یک جا) کتابی صورت میں 632ء میں جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بیس برس بعد ترتیب دیا گیا تاہم اس کی صحت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی مترجم یا کوئی جوشیلا شخص یا بدنیت آدمی آج تک اس میں کوئی ردّ و بدل کر سکا ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت

بڑے افسوس کے ساتھ ماننا پڑے گی کہ دوسری (آسمانی) کتابوں کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔(دی کنسٹرکشن آف دی بائبل اینڈ دی قرآن: صفحہ:5 مطبوعہ لندن 1885ء)

بلند پایہ اخلاقی مضامین:

جان ولیم ڈریپر (John William Drper) لکھتا ہے:

قرآن حکیم بلند پایہ اخلاقی مضامین اور پندونصائح سے بھرپور ہے۔ اس کی ترتیب کچھ اس طرح جامع انداز کی ہے کہ ہمیں اس کا کوئی صفحہ ایسا نہیں ملتا جس میں ایسی آیات موجود نہ ہوں جنہیں ہر مکتبہ فکر کے اشخاص کی تائید وحمایت حاصل نہ ہو۔ اس کی اجزائی ترتیب، اس کے واضح عقائد، قوانین اور متن کی طرف نشاندہی کرتی ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہر آدمی کے تمام مسائل سے یکساں مطابقت نظر آتی ہے۔

(اے ہسٹری آف دی انٹلیکچوئل ڈیویلپمنٹ آف یورپ:1/343،4 مطبوعہ لندن 1875ء)

سائنسی علوم کا منبع:

ہارٹ وگ ہرش فیلڈ (Hartwig Hirschfield) کی قرآن کے بارے میں رائے یہ ہے:

ہمیں یہ جان کر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ قرآن حکیم تمام سائنسی علوم کا منبع ہے۔ ہر مسئلہ خواہ اس کا تعلق زمین سے ہو یا آسمان سے، انسانی زندگی سے ہو یا صنعت وتجارت سے، قرآن کے اوراق میں کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ضرور ملتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے مختلف عنوانات پر اب تک بے شمار تحقیقی مضامین لکھے جاچکے ہیں جو اس متبرک کتاب کے مختلف حصوں کی تفسیر بن چکے ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کئی مباحث ومناظر کا ذریعہ بھی بنا ہے اور دنیائے اسلام میں سائنسی علوم کی تمام شاخوں میں بے مثال کامیابی اس کی مرہون منت ہے۔ اس حقیقت سے نہ صرف یہ کہ عرب قوم ہی متاثر

ہوئی بلکہ قرآن حکیم نے یہودی فلسفیوں کو بھی یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ وہ مذہب اور مابعد الطبیعات جیسے اہم مسائل کو اصول عرب کی روشنی ہی میں مانیں جس طریقہ سے عربوں کے مذہبی فلسفہ نے مسیحی مذہب کی منطق کو تقویت پہنچائی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

دنیائے اسلام کے جونہی روحانی جذبات ابھرے تو اس کا اثر صرف دینی تصورات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یونانیوں کے فلسفہ حساب، علم ہیئت اور طب کی تحریرات نے ان کے دلوں میں ان علوم کے سیکھنے کا جذبہ بیدار کیا۔ جناب محمد مصطفی ﷺ نے وحی الٰہی کا حوالہ دیتے ہوئے بار بار ہماری توجہ آسمانی حقائق کی طرف مبذول کی ہے جو کہ قدرت کے کرشمہ کا ادنیٰ سا نمونہ ہیں اور یہ سب اعیان سماوی آدمی کی خدمت کے لئے وقف ہیں۔ لہٰذا ان کی عبادت و پرستش کی اجازت نہیں۔ مزید برآں مسلمانوں نے جس خوبی اور کمال سے علم کی تحقیق کی ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ کئی صدیوں تک صرف وہی اس علم ہیئت کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرون وسطیٰ کے یورپی ہیئت دان عربوں کے شاگرد رہے ہیں۔

بعینہ قرآن حکیم نے طب کی تعلیم پر بھی زور دیا ہے اور مظاہر قدرت میں غور کرنے اور مطالعہ کی تلقین کی ہے۔

(نیو ریسرچ ان ٹو دی کمپوزیشن اینڈ ایکسیجیز آف دی قرآن مطبوعہ لندن 1902ء)

دل موہ لینے والی آواز:

پال کاسانوا (Paul Casanova) کے جذبات آخری آسمانی کتاب کے بارے میں یہ ہیں:

جب کبھی حضرت محمد ﷺ سے آپ کے مشن کے ثبوت کے بارے میں کوئی معجزہ

طلب کیا جاتا تو آپ قرآن حکیم کی بے مثل اور اعلیٰ تحریر ہی کو اس کے خدائی کلام ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک بھی جو کہ غیر مسلم ہیں اس کی زبان حیرت انگیز شان رکھتی ہے جس نے بے انتہا اثر آفرین اور قابل قبول لہجہ سادہ اور دل کو موہ لینے والی آواز نے ان قدیم لوگوں کو بھی جو فصاحت وبلاغت کے دلدادہ تھے، تعریف کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ارکان تہجی کی فصاحت، اس کی نثر کا شاندار وزن اور بحر میں غیر معمولی موزونیت اس کے سخت ترین مخالف اور متشکک کو بھی بات چیت کے وقت اپنی اہمیت کا احساس دلاتی رہتی ہے۔

(ل۔ این بیگمنٹ ڈی عرب اور کالج ڈی فرانس لیکان ڈی ور جا برا اے 26 اپریل 1909ء)

اسلام کی اساس:

سر ولیم (Sir William Muir) متعصب عیسائی ہونے کے بعد یہ لکھنے پر مجبور ہے: ''قرآن کریم اسلام کی اساس ہے۔ قرآن کریم کی حاکمیت، دینی امور، اخلاقیات اور سائنس سب امور میں ایسی ہے جیسے دینی امور میں قرآن کریم ہر چیز سے فائق ہے اور اس کے بارے میں مسلمانوں کا ذہن اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اس کے بارے میں وہ کسی قسم کا کوئی سوال برداشت نہیں کرتے۔''

(دی لائف آف محمد ﷺ: صفحہ: 7 لندن 1903ء)

جدید اخلاقی زاویے:

آر۔ جی۔ مارگولیتھ (Rev G. Margolluth) کی شہادت یہ ہے:

اقوام عالم کی تمام عظیم الہامی کتب میں قرآن مجید بالاتفاق نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ اگرچہ اپنی نوع کے عہد آفرین شہ پاروں میں یہ سب سے آخر میں منصۂ شہود پر آیا تاہم اس نے بنی نوع انسان کی ایک عظیم آبادی پر معجز نما اثر ڈالا ہے۔ اس لحاظ

سے یہ تمام الہامی کتب میں سب سے آگے ہے۔ اس نے انسانی فکر کو ایک کامل اور اچھوتے لیکن جدید اخلاقی زاویے سے ہمکنار کیا ہے۔

(انٹروڈکشن ٹو دا کورنا بائے کلیو جے۔ ایم۔ روڈویل لندن 1918ء)

لافانی اعجاز:

ہیری گیلارڈ ڈارمین (Harry Gaylord Dorman) نے قرآن کا مطالعہ کیا تو کہہ اٹھا:

قرآن مجید خداتعالیٰ کی الہامی کتاب ہے جو جبرئیل (امین) کے ذریعے محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی اور حرف بہ حرف اکمل ہے۔ یہ ایک اٹل اور لافانی اعجاز ہے جو اپنی اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کی صداقت کی شہادت دیتا ہے۔ اس کا اعجاز ایک طرف تو اس کا اسلوب بیان ہے جو اس قدر اکمل و جامع اور اعلیٰ وارفع ہے کہ جنوں اور انسانوں میں سے کوئی بھی اس کی مختصر ترین سورت کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر نہیں لا سکا اور دوسری طرف اس کا معجزہ، اس کی تعلیمات، مستقبل کی پیش گوئیاں اور معلومات واخبار ہیں جو اس حد تک ٹھیک ٹھیک ثابت اور ظاہر ہوتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) جیسا شخص (ﷺ) اپنی طرف سے کبھی بھی گھڑ کر یا حاصل کر کے نہیں لا سکتا تھا۔ (ٹو ورڈ انڈراسٹینڈنگ اسلام: صفحہ 3 نیویارک 1948ء)

حسنِ بیان:

ایڈورڈ مومنٹ (Edward Monteith) نے قرآن کھولا تو بول پڑا:

وہ تمام لوگ جن کو عربی قرآن کا معمولی سا بھی تعارف حاصل ہے، ان سب کو اس مذہبی کتاب کے حسن بیان کی تعریف پر اتفاق کرنے کے سوا کوئی راہ فرار نہیں ہے اس کی عظمت اسلوب اس قدر اعلیٰ وارفع ہے کہ کسی بھی یورپی زبان میں ترجمہ کر کے اس

کے طرزِ بیان کو دادِ تحسین پیش نہیں کی جاسکتی۔

(ٹریڈیشن فرانس ڈیو قرآن، پیرس 1929ء انٹروڈیکشن، صفحہ:53)

سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب:

جیمز۔اے۔مشنر (James A Michener) لکھتا ہے:

دنیا میں غالباً قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جانے والی، سب سے زیادہ حفظ کی جانے والی اور اپنے پیروں کاروں کی روزمرہ زندگی میں سب سے زیادہ اثر آفرین کتاب ہے۔ عہد نامہ جدید جیسی طولانی بھی نہیں ہے۔ اس کا طرز بیان نہایت ارفع واعلی ہے جو نہ تو منظوم ہے اور نہ ہی عام بے اثر پھیکی نثر کی مانند ہے۔ لیکن یہ اپنے سامعین کے قلوب کو حلاوت ایمانی سے سرشار کرنے کی بے پناہ تاثیر رکھتی ہے۔

قرآن مجید حضرت محمد (ﷺ) پر 610ء سے لے کر 636ء کے درمیانی عرصہ میں مکہ اور مدینہ کے قیام کے دوران نازل ہوا۔ اس کو کاغذات، درختوں کی چھال اور جانوروں کے کولہوں کی ہڈیوں پر نہایت ثقہ اور معتمد کاتبین کی ایک جماعت نے کتابت کیا۔ ابتدائی احکامِ وحی خیرہ کن یقین کامل کے حامل ہوتے تھے، یعنی یہ کہ معبود حقیقی صرف ایک ہے جو رحمن ورحیم ہے اور معبودیت کی سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے جو کہ کون ومکان کا خالق، فاطر اور بدیع ہے اور زمین وآسمان کی ہر شئے اس کی تسبیح وتحمید کرتی ہے اور وہ عزیز وحکیم ہے۔

یہی وہ طوفانی پیغام ہے جو اصنام وخس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا اور بنی نوع انسان کو اپنی زندگیوں اور قدموں میں انقلاب آفرینی کے جذبہ سے سرشار کر گیا۔ عہد نبوی کے آخری ایام میں جب اسلام نے خطہ عرب کے وسیع علاقے میں

نفوذ کرنا شروع کیا اور قوت پکڑی تو نزول وحی میں معاشرے کی تنظیم، مل جل کر رہنے کے قوانین وضوابط اور معاشرتی مسائل کی طرف توجہ دی گئی۔

قرآن مجید میں عیسائیت اور یہودیت کی بہت سی مقدس ہستیوں کے اسماء کا ذکر آیا ہے مثلاً پانچ نہایت اہم سورتیں: نوح، یونس، یوسف، ابراہیم، مریم علیہم السلام کے نام کی ہیں۔ اسی طرح اگرچہ عیسیٰ، آدم، داؤد، جالوت، ایوب، موسیٰ، لوط، اور سلیمان، علیہم السلام کے نام کی سورتیں تو نہیں ہیں تاہم ان ہستیوں نے بنی نوع انسان کی رشد وہدایت کے لیے جو عظیم الشان خدمات سرانجام دیں ان کا تذکرہ نہایت شرح وبسط سے آیا ہے۔

نیک زندگی کی بحث میں قرآن مجید غیر معمولی طور پر اوّل تا آخر راضی ہے۔ دنیوی معاملات کے بارے میں کس قدر قابل انداز میں فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَ لْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَ لَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَ لْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَ لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ ﴾

(سورة البقرة)

تَرجَمَة: ''جب معاملہ کرنے لگو ادھار ایک میعاد معین تک (کے لیے) تو اس کو لکھ دیا کرو اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کرلیا کرو تا کہ ان میں سے اگر کوئی ایک بھول جائے یا غلطی کرجائے تو دوسرا گواہ اس کو یاد دہانی کرادے اور یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ) کے متعلق کسی شبہ میں نہ پڑو۔''

ایک طرف خدائے واحد کی پرستش اور دوسری طرف زندگی میں عملی ہدایات کا امتزاج قرآن مجید کو بے مثل کتاب کے رتبہ عظیم پر فائز کرتا ہے۔ کرۂ ارض کی تمام اسلامی اقوام کی عظیم اکثریت کا یہ ایمان ہے کہ ان کی اسلامی سلطنتوں کا نظام اسی وقت احسن طریق پر چل سکتا ہے جب کہ وہاں کے قوانین قرآن مجید سے ہم آہنگ ہوں۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کو دنیا کی اقوام نے صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں۔

جامع کتاب الٰہی:

ای - ڈینی سن - راس (E. Denison Ross) کے خیالات قرآن کے بارے میں یہ ہیں:

اس بات کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ عیسائی انجیل کو جس قدر عمل دخل حاصل ہے قرآن مجید کو مسلمانوں کی زندگی میں اس سے کہیں بڑھ کر عمل دخل ہے۔ اس میں صرف عقیدۂ ایمان ہی بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کو عبادات، امور وفرائض اور معاشرتی قوانین پر مشتمل کتاب الٰہی کا درجہ بھی حاصل ہے۔

اسی طرح اس امر کو بھی ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت محمد (ﷺ) کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ، وحدتِ خداوندی تھا۔ اور آپ کے دین وملّت کی اشاعت، غازیوں کی نوکِ شمشیر کی بجائے اپنی سلاست اور سادگی کی رہین منّت تھی۔

اگرچہ اسلام عیسائی دنیا پر شدید طور پر اثر انداز ہو رہا ہے تاہم اس نے براعظم ایشیا کے نصف حصہ کو ایک روحانی ملّت وکیش سے ہمکنار کیا ہے اور اس واقعہ نے دنیا کو مبہوت کر دیا ہے کہ ترک قوم جس کے وسطی ایشیا کے تاتاری جتھوں نے ہندوستان اور مشرق اوسط پر متعدد بار یلغار کر کے وہاں غارت گری اور خونریزی کے بازار گرم کیے، جس کی یلغار ناقابل مزاحمت تھی جب اس قوم کی طرف اشاعت اسلام کا ریلہ آیا

تو ملت اسلام نے ان کے (پتھر جیسے) قلوب کو مسخر کر لیا اور وہاں مسلمان سلاطین کے کئی سلسلوں کے زیر نگیں اسلامی سلطنت کی داغ بیل پڑ گئی۔

تیرہ سو سال کی گردش لیّام کے دوران تمام ترک قوم اہل ایران اور ہندوستان کی قریبا ربع آبادی کے نزدیک قرآن کو مقدس کتاب کا درجہ حاصل رہا ہے۔ لاریب، یہ ایسی کتاب ہے جو اس کی حق دار و سزاوار ہے کہ موجودہ مغربی دنیا میں اس کا نہایت وسیع پیمانے پر مطالعہ ہو۔ خاص طور پر موجودہ دور میں جب کہ نت نئی ایجادات نے کون و مکان کی تمام تمیزیں مٹادی ہیں جب کہ عوامی فلاح کا مفہوم یہ متصور ہونے لگا ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو فلاح و بہبود کی دولت سے مالا مال کر دیا جائے۔

علمی نکات،
پُراثر واقعات، لطائف واشعار،
فقہی پہیلیوں اور حقائق کا بے مثال مجموعہ
خزینہ
تالیف
حضرت مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری
المنهل

اسکول وکالج اور دینی مدارس کے طلباء کے لیے
مختلف موضوعات پر انتہائی موثر اور ذہن ساز
سو ۱۰۰ تقریریں
تالیف
حضرت مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری
المنهل

درس قرآن و حدیث
المنهل

احسن القصص
حضرت یوسف
مولانا محمد اسلم شیخوپوری